قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسّلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۹ شمارہ: ۵

جمادی الاولیٰ: ۱۴۴۷ھ - نومبر: ۲۰۲۵ء

قیمت فی شمارہ: ۷۰ روپے، زرِ سالانہ: ۸۰۰ روپے

مُدیر، مُدیر مسئول

مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری

نائب مُدیر

مولانا سیّد احمد یوسف بنوری

مُدیر مُعاون

مولانا محمّد اعجاز مصطفی

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800 پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ: 50 امریکی ڈالر

عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

وضاحت

ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: 92-21-34919531 +

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

’’آثار السنن‘‘ پر علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی ’’الإتحاف لمذهب الأحناف‘‘ کی اشاعت	۳	سید سلیمان یوسف بنوری

مقالات ومضامین

مکاتیب شیخ محمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ	۷	ترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
قرآن کریم سے دوری کا انجام!	۱۲	خطاب: حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ
قرآن کریم کا معجزانہ اسلوبِ بیان (سورۃ الحِجر)	۱۴	مولانا محمد عارف جمیل قاسمی مبارکپوری
غزہ کی خاموش چیخیں اور ایمان کا چراغ	۲۱	مولانا فضیل اختر قاسمی بھیروی
سنی سنائی بات کی تحقیق کی ضرورت اور سوشل میڈیا	۲۴	مولانا عبدالمتین
حصولِ علم کا شوق اور ہمارے اکابرین	۳۰	مولانا عصمت اللہ نظامانی
خطبہ، تقریر اور نمازِ جمعہ میں لاؤڈ اسپیکر کا غلط استعمال	۳۷	مفتی انور شاہ
تعلیمی نظام میں معروضی امتحانات کی اہمیت، فوائد اور گزارشات	۴۰	مولانا آصف ملک

یادِ رفتگاں

عدنانؒ ’عدنان ہوگیا!	۵۴	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
جامعہ کے استاذ مولانا محمد فاروق صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت / جامعہ کے اُستاذ مولانا محمد یاسر عبداللہ صاحب کو صدمہ	۵۷	محمد اعجاز مصطفیٰ

دار الافتاء

ریکروٹمنٹ/ ملازمین بھرتی کرانے والی کمپنی میں ملازمت	۵۸	ادارہ
پلاسٹک اور کاسمیٹک سرجری کا حکم	۶۱	ادارہ

نقد ونظر

دعائیں سمجھ کر مانگیے ... عُشر ادا کیجیے	۶۲-۶۳	ادارہ
حیاتِ مسیح علیہ السلام پر دورِ جدید کے فتاویٰ جات	۶۳	ادارہ

’’آثار السنن‘‘ پر علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی

’’الإتحاف لمذهب الأحناف‘‘ کی اشاعت

سید سلیمان یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی!

الحمدللہ! اہلِ علم کو یہ اطلاع دیتے ہوئے مسرت وشادمانی کا احساس ہو رہا ہے کہ علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی گراں قدر تحقیقات اور علمی افادات پر مشتمل نادر حواشی ’’الإتحاف لمذهبِ الأحناف‘‘، تحقیق وتخریج کے ساتھ جامعہ کے شعبہ ’’مجلسِ دعوت وتحقیقِ اسلامی‘‘ سے شائع ہو گئے ہیں۔

والحمد لله الذي بنعمتهٖ تتمّ الصالحات!

یہ موقع ذاتی طور پر راقم کے لیے خوشی اور مزید شکرِ خداوندی کا باعث ہے کہ ان حواشی کی تحقیق و تخریج اور پھر اشاعت سے حضرت والد ماجد محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے آغاز کردہ ایک کام کی تکمیل ہوئی اور حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی دیرینہ خواہش کی تکمیل ہوئی۔ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو ان تحقیقی حواشی کی تخریج پر مامور فرمایا تھا، اور والد صاحبؒ نے اس کا آغاز بھی فرمالیا تھا۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ’’الإتحاف‘‘ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

’’وكنتُ قدِ اشتغلتُ بُرهةً بتخريجِ تلكَ الحوالاتِ، واستخراجِ تلكَ

العباراتِ بأمرِهِ رحمه الله، فكانتْ صفحةٌ واحدةٌ من الكتاب تخريجُها يملأ عدَّةَ أوراقٍ، وكان رحمه الله يتمنّى أنْ لو طُبِعَتْ ذلك التخريجاتُ لنفعتْ أهلَ العلم.''

''حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کی تعمیل میں ایک عرصہ تک میں ان حوالوں اور عبارتوں کی تخریج میں مشغول رہا، چنانچہ کتاب کے ایک ایک صفحہ کی تخریج میں کئی کئی صفحات بھر جاتے تھے، اور حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کی آرزو تھی کہ یہ تخریجات شائع ہو جائیں تو اہلِ علم مستفید ہوں گے۔''

اپنے محبوب شیخ واستاذ کے حکم کی تعمیل میں حضرت والد صاحبؒ نے کام شروع فرما لیا تھا اور کتاب کے تقریباً نصف حصے کی تبییض اور تقریباً چوتھائی حصہ کی تصحیح و تخریج فرمالی تھی، لیکن حیاتِ مستعار کے نشیب و فراز، اَن گنت حوادث، گوناگوں ذمہ داریاں اور مصروفیات اس کام کی تکمیل میں آڑے آتی رہیں، اور حضرت والدِ ماجدؒ اس خواہش کو سینے میں دبائے سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے۔ حضرت والد ماجدؒ کے ترکہ میں سے ان کی تخریجات پر مشتمل وہ کاپی میرے حصہ میں آئی، اور سالہا سال ہمارے خاندانی ذخیرۂ کتب میں محفوظ رہی۔

''الإتحاف لمذهب الأحناف'' کے نام سے موسوم یہ حواشی، علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کا گنجینہ اور ان کے برسہا برس مطالعہ و تحقیق کا نچوڑ ہیں۔ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے مولانا انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بجا طور پر لکھا ہے:

''موصوف (علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ) نے (''آثار السنن'' کی) دونوں جلدوں پر نہایت قیمتی وفاضلانہ حواشی درج فرمائے، جن میں ہزار ہا ہزار کتابوں کے بقیدِ صفحات حوالے موجود ہیں، یہ مرحوم کی زندگی کا حاصل اور حنفیت کی تائید واستحکام کی مضبوط کوشش ہے، مگر افسوس کہ عوام، بلکہ خواص بھی اس سے استفادہ نہیں کر سکتے، کاش کہ حضرت کا کوئی شاگرد خصوصاً مولانا یوسف بنوری اس طرف توجہ فرمائیں۔'' (نقشِ دوام، ص:۱۸۸، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ان حواشی کا یہ مقام و مرتبہ اس وجہ سے بھی ہے کہ آپ کی تالیفات میں سے یہی ایک تالیف ہے جو طہارت، صلاۃ اور جنائز تک کے تمام ابواب کو محیط ہے۔ اس کے علاوہ دیگر کاوشیں یا املائی تقاریر ہیں یا رفع الیدین و فاتحہ خلف الامام وغیرہ جیسے فروعی مسائل پر مشتمل ہیں، اور اس کا یہ مقام کیونکر نہ ہو، جبکہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فروعی مسائل میں اپنے تالیف کردہ رسائل میں بھی تفصیلی کلام کے لیے جا بجا اپنے ان حواشی کا حوالہ دیا ہے، لہٰذا اس کی اشاعت بلا شک وشبہ علامہؒ کی دہائیوں پر محیط تحقیقات کا

وہ قرض ہے جو قریباً ایک صدی سے اہلِ علم کے ذمے تھا اور جس کی ادائیگی کی فکر تقریباً پون صدی سے اکابر اہلِ علم کو دامن گیر رہی، اور علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد تلامذہ: حضرت والد ماجد، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا سید احمد رضا بجنوری، نیز مولانا انظر شاہ کشمیری اور نامور محقق عالم شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہم جیسے کبار اہلِ علم زندگی بھر آرزومند رہے کہ تحقیق وتخریج اور تبویب وترتیب کے بعد انہیں شائع کیا جانا چاہیے۔

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ پاک وہند کے متعدد اہلِ علم نے بھی اس سلسلے میں خامہ فرسائی کی کوشش فرمائی، ''ولكن كلّ شيء مرهونٌ بوقته''۔ بالآخر سنہ ۱۴۳۸ھ میں جامعہ کے ''شعبہ تحقیق'' کے زیرِ اہتمام حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے اِشراف میں اس مبارک علمی منصوبے پر کام شروع کیا گیا اور منتخب اساتذۂ جامعہ کی ''لجنة'' کی معاونت سے تحقیق وتصحیح اور تخریج وتنسیق کے دشوار مراحل سے گزر کر یہ علمی وتحقیقی کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس دوران ضمنی طور پر خود مصنف کے ذاتی نسخے اور علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیحات کی روشنی میں کتاب کے متن ''آثار السنن'' اور اس پر مؤلف کے حواشی ''التعليق الحسن'' و ''تعليق التعليق'' کی تصحیح وتحقیق کا کام بھی مکمل ہوا، جو کئی برس قبل ''مجلسِ دعوت وتحقیقِ اسلامی'' سے شائع ہوکر عام ہو چکا ہے، اور الحمدللہ! بہت سے اکابر اہلِ علم نے تصحیح وتحقیقِ نص کے پہلو سے اس طبع پر اعتماد کیا ہے۔

''الإتحاف'' کی یہ عظیم الشان طباعت درج ذیل امور کو مدِنظر رکھتے ہوئے پایۂ تکمیل کو پہنچی ہے:

❶ - متنِ کتاب کے لیے ''آثار السنن مع التعليق الحسن و تعليق التعليق'' کے لیے اسی سابق الذکر محقق ومصحّح نسخے کو بنیاد بنایا گیا ہے جو مجلس سے شائع ہو چکا ہے۔

❷ - چونکہ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی آثار السنن کے متن اور اس کے دونوں حواشی پر ہیں، اسی لیے ''الإتحاف'' سے پہلے صفحہ کی ابتدا میں متن کو رکھا گیا ہے، اس کے بعد بالترتیب مؤلف کے حواشی، پھر آخر میں ''الإتحاف'' کو اور پھر صفحے کے آخر میں ''الإتحاف'' کی تخریج ہے۔ متن اور دونوں حواشی، تینوں حصوں میں موجود مواد کو عنوان لگا کر بھی دوسرے سے ممتاز کیا ہے، تاکہ قاری کے لیے کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔

❸ - یہ حواشی مستقل تالیفی طرز پر نہیں لکھے گئے، بلکہ مختلف قطعات کی شکل میں جمع کردہ ملاحظات ہیں، جنہیں ابتدا وانتہا اور متعلقہ مواضع کی تعیین کے بغیر علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نسخے کے چاروں طرف لکھا تھا، جب ان حواشی کو جدید اُسلوب کے مطابق مختلف عبارتوں کے ساتھ نمبروار جوڑنے اور تقسیم کی ضرورت پیش آئی تو عبارت کے تسلسل کو برقرار رکھنے اور مستقل مربوط عبارت کی شکل میں پیش کرنے کے

لیے جا بجا بین القوسین اِرتباطی کلمات کا اضافہ کیا گیا، جو ناگزیر تھا، مگر پھر بھی بعض جگہ قاری کو عبارت کے تسلسل میں خلجان پیش آنے کا امکان تھا، خصوصاً وہ مقامات جہاں علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ضمائر بھی کثرت سے استعمال کی ہیں، ایسی جگہوں پر عموماً حواشی میں بات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

❹- ''الإتحاف'' میں موجود حوالوں کی تخریج کا حتی الامکان اہتمام کیا گیا ہے، چاہے وہ اشارتاً مذکور ہوں، البتہ بعض جگہوں پر تخریج اس وجہ سے نہ ہوسکی کہ علامہ موصوف اپنے تبحرِ علمی کی وجہ سے نایاب قلمی کتاب یا نایاب نسخے یا ایسی نادر مطبوعہ کتاب کا حوالہ دیتے ہیں، جس کی طباعت شاید ایک دفعہ کے بعد دوبارہ نہیں ہوسکی، نتیجتاً ایسے حوالوں تک تلاشِ بسیار کے باوجود رسائی نہ ہوسکی، لہٰذا جن جگہوں پر تخریج نہ ہو، اُنہیں اسی قبیل سے سمجھا جائے، ان مقامات پر حواشی میں تصریح بھی کر دی گئی ہے۔

❺- تصحیح وتخریج کے عمل میں حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی کاپی سے بہت مدد ملی؛ کیونکہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کتاب کے نصف کے قریب حصے کی تبییض اور تقریباً ایک چوتھائی حصے کی تخریج کر چکے تھے، چنانچہ کتاب کی تبییض وتخریج میں اس کاپی سے کافی استفادہ کیا گیا، اور حواشی کے بہت سے مقامات اس کی روشنی میں حل ہوئے، کتاب کے مقدمہ میں ان تمام مراحل کی تفصیل درج کی گئی ہے۔

❻- کتاب کے شروع میں ایک جامع مقدمہ کا اضافہ کیا گیا ہے، جس میں شیخین علامہ نیموی و کشمیری رحمہما اللہ کی حیاتِ مبارکہ اور اُن کی کتب (آثار السنن و الإتحاف) میں اُن کے اُسلوب ومنہج اور خصائص وامتیازات سے متعلقہ اہم تحقیقات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے، جس سے قاری کو علیٰ وجہ البصیرت اس کتاب کے مطالعہ میں مدد ملے گی۔

بہرکیف! یہ کتاب کئی سالوں کی جدوجہد کے بعد حال ہی میں ''مجلسِ دعوت وتحقیقِ اسلامی'' سے لگ بھگ ۱۲۰۰ صفحات پر مشتمل دو جلدوں میں شائع ہوچکی ہے، اور علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم ومعارف کے شائقین کے لیے ایک خوانِ یغما اور عرب وعجم کے اہلِ علم کے لیے گراں قدر علمی تحفہ ہے۔ اُمید ہے کہ اس کتاب سے مطالعہ وتحقیق کے نئے دَر وا ہوں گے، اور بہت سے علمی عُقدوں کی گرہ کشائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس عمل کو اپنی بارگاہ میں قبولیت سے سرفراز فرمائے، اور اخلاص کے ساتھ اپنے دین کی مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیّدنا محمّد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین!

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوریؒ

مکاتیبِ شیخ محمد نمنکانی رحمۃ اللہ علیہ (۱)

بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وترتیب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ محمد نمنکانی رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت صاحبِ فضیلت وسعادت مولانا سید محمد یوسف بنوری موقّر!

سلام اور محبتیں قبول کیجیے، اللہ سے اُمید ہے کہ آنجناب، اہلِ خانہ واولادِ کرام دائمی صحت اور کامل

(۱) شیخ محمد بن سلطان نمنکانی سنہ ۱۳۲۵ھ میں ''نمنکان'' (ازبکستان) میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی، انتہائی تعلیم کے لیے غیر منقسم ہندوستان گئے، بعدازاں مدینہ طیبہ میں مستقل طور پر مقیم ہوگئے، اور مسجد نبوی میں مدرّس اور ناظمِ کتب خانہ رہے، اس دور میں مدینہ طیبہ کے معروف علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ سنہ ۱۳۶۰ھ میں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے باب الرحمۃ کے قریب ایک تجارتی مکتبہ کی بنیاد ڈالی، اس کتب خانہ میں علومِ اسلامیہ کے متعلق کتابیں دست یاب ہوتی تھیں، شیخ موصوف، بیرون حجاز (مصر، ترکی، ہندوستان وپاکستان وغیرہ) سے بھی کتابیں درآمد کرکے اہلِ علم کو مہیا کرتے تھے، پیشِ نظر خطوط سے اندازہ سے ہوگا کہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کتابوں کے تبادلے کی نوعیت کا تعلق رہا ہے، نیز بہت سی اہم کتابیں انہوں نے اپنے مکتبہ سے شائع کی ہیں، جن میں علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ کی ''وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفى'' اور شیخ حَجوِی رحمۃ اللہ علیہ کی ''الفكر السامي في تاريخ الفقه الإسلامي'' نمایاں ہیں۔ سنہ ۱۳۹۷ھ میں مدینہ طیبہ میں انتقال ہوا، اور بقیع میں مدفون ہوئے۔ بظاہر مصر وحجاز کے سفر کے دوران حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ راہ ورسم ہوئی، اور وفات تک تعلق رہا، عجیب اتفاق ہے کہ دونوں حضرات کی رحلت بھی ایک ہی سال میں ہوئی۔ پیشِ نظر خطوط میں سے بیشتر عربی میں ہیں اور قارئین کے استفادہ کے لیے ان کا ترجمہ کیا گیا ہے، جبکہ بعض خطوط اردو میں لکھے گئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نمنکانی رحمہ اللہ اردو زبان سے بھی واقف تھے۔ مزید حالات کے لیے دیکھیے: ''العلماء والأدباء الوراقون في الحجاز في القرن الرابع عشر الهجري''، للشيخ إبراهيم عبد الوهاب أبو سليمان، ص: ۱۷۷، نادي الطائف الأدبي، الطائف، الطبعة الأولى، ۱٤۲۳هـ/ ۲۰۰۲ء.

عافیت کے ساتھ ہوں گے۔ آنجناب نے میرے بارے میں دریافت فرمایا ہے، اللہ کا شکر ہے سب خیریت ہے۔ آنجناب کے لیے حرمِ نبوی شریف میں تمام تر مقاصد واہداف کے حصول کے لیے دعا گو ہوں۔

بعد ازاں اُمید ہے کہ آپ نے مالکِ نور محمد کتب خانہ سے درج ذیل کی ترسیل کے متعلق بات کرلی ہوگی:

❶-مشكاة المصابيح مجلّد ١٠ عدد ، ❷-بلوغ المرام ٣ عدد، ❸-نور الأنوار مُحشّى مترجم مجلّد ٥ عدد، ❹-الحزب الأعظم مجلّد ١٠ عدد، ❺-سیرت پاک مجلّد ١٠ عدد

ان کتابوں کی قیمت ادا کردیجیے، یہ ضروری کام ہے، آپ کا شکرگزار ہوں۔ مدیرِ مجلسِ علمی جناب طاسین صاحب کی مطلوبہ کتابوں میں سے بعض مہیا کرلی ہیں، ان کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

تفسير وعلوم القرآن: ❶-تفسير جوهري طنطاوي، ❷-القرآن ينبوع العلوم، ج: ١، ❸-في بلاغة القرآن، ❹-الفلسفة القرآنية، ❺-مقدّمتان في علوم القرآن

(علوم الحديث): ❶-مسند الإمام أحمد جديد، ج :١٠، ❷-معالم السنن للخطّابي، ❸-المنهل العذب (المورود) شرح سنن أبي داود

(الفقه و) أصول الفقه: ❶-تاريخ الفقه الإسلامي للدكتور محمد يوسف، ❷-الفقه الإسلامي، ❸-مصادر الحق في الفقه الإسلامي، ❹-الفروق للقرافي، ❺-كتاب الأصل، ❻-الفقه المُقارن، ❼-التعزير في الشريعة الإسلامية، ❽-إحكام الأحكام للآمدي.

یہ تو ضروری کام ہوا۔ اپنے ہاں کے تمام عزیزوں کو میرا سلام کہیے، ہماری جانب بیٹا احمد، فضل اللہ مخدوم، قاری عباس، مولانا عبد الغفور صاحب اور مولانا بدیع عالم صاحب آپ کو ہدیۂ سلام پیش کررہے ہیں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

دعا گو

محمد یوسف بنوری

پس نوشت

آپ کے خط کے جواب کے ساتھ موجود دوسرا جوابی خط لاہور میں مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کو ارسال کردیجیے گا۔

نوٹ: کراچی کی مطبوعات میں سے مطلوبہ کتابیں ہمارے راستے میں ہوں گی، ان شاء اللہ!

۶ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ مطابق ۹ ؍ فروری ۱۹۵۴ء

حضرت صاحبِ فضیلت، مولانا سید محمد یوسف بنوری!

اللہ تعالیٰ آپ کی پاکیزہ حیات سے ہمیں مستفید فرمائے، آمین!

سلام اور طویل عمر و دائمی توفیق کی دعا کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ آنجناب مع معزّز اہلِ خانہ کامل صحت وعافیت وآرام سے ہوں۔ آنجناب نے میرے متعلق دریافت فرمایا ہے، الحمد للہ سب خیریت ہے۔

بعد ازاں آپ کا والا نامہ وصول پایا، قرآن مجید مترجم عبداللہ یوسف ایک ہفتہ قبل موصول ہوگیا، لیکن نصب الرایۃ تاحال نہیں پہنچی۔ قرآن مجید مترجم عبداللہ یوسف کا حصہ سوم اور تین اجزاء میں مکمل سیٹ آیا ہے، جبکہ (الگ سے) مطلوب حصہ دوم تھا جس کا آغاز ''یَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَیۡکُمۡ'' (پارہ:۱۱) سے اور انتہا پارہ ۲۱ پر ہے، حصہ سوم مطلوب نہیں تھا۔ حصہ سوم جو ہمارے پاس ہے، ہم بذریعہ ڈاک ارسال کردیں گے، ان شاء اللہ!۔

اور آپ مصحفِ مترجم کا حصہ دوم مع کتاب ''نصب الرایۃ'' ارسال کردیجیے گا، جس کے بھیجنے کا آپ نے اپنے خط میں ذکر کیا تھا، ''نصب الرایۃ'' مع مصحفِ مترجم حصہ دوم ''تاج کمپنی'' کراچی کی منتظمہ کو سپرد کردیجیے؛ کیونکہ میں نے ان سے مصاحفِ شریفہ طلب کیے ہیں، وہ مطلوبہ مصاحف کے ساتھ یہ کتابیں بھی بھیج دیں گے تو خرچ کم ہوگا۔

آں محترم کے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ مجھے شیخ احمد بساطی مرحوم کے ورثاء کے ہاں ''شرحُ الأُبِّي والسنوسي على صحيح مسلم'' کا ایک صحیح سالم نسخہ قدیم جلد (پچاس ریال) میں حاصل ہوا ہے، جس پر مہر مٹی ہوئی ہے، آنجناب موافق ہوں تو بذریعہ ڈاک ارسال کردوں، آپ کے جواب کا انتظار ہے۔ یہ ضروری کام ہوا۔ ہماری جانب مولانا بدرِ عالم صاحب، شیخ عبدالغفور، مقبول سبحانی، فضل اللہ اور مولانا احمد آپ کو بہت سلام کہہ رہے ہیں، انتہائی احترام کے ساتھ قبول فرمائیے۔ آپ کو اور متعلقین کو سلام!

مخلص دعا گو

محمد نمنکانی

حضرت صاحبِ فضیلت، مولانا شیخ سید محمد یوسف صاحب بنوری موقّر!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ آنجناب مع اہلِ خانہ واولاد اچھی صحت کے ساتھ ہوں گے۔ ہمارے بارے میں دریافت ہو تو الحمد للہ ہر طرف خیریت ہے۔ آپ کے لیے حرمِ نبوی شریف میں نیک دعائیں کرتا ہوں۔

آنجناب کو یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ کتاب ''نصب الراية'' پانچ پارسلوں میں مکمل اسی ہفتے پہنچ گئی ہے، ہماری طرف سے آپ کا بے حد شکریہ! ترجمہ قرآن کریم کا حصہ سوم بعض زائرین کے ہاتھ ارسال کروں گا جو زیارت کے ارادہ سے کراچی آئیں گے اور مدرسہ میں مہمان بن کر رُکیں گے، ان کے ساتھ ۲۲۵ پاکستانی روپے سکہ رائج الوقت بھی بھیجوں گا، جو آنجناب کے پاس امانت ہوں گے، بوقتِ ضرورت بقیہ رقم کے ساتھ لے لیں گے۔ ''شرحُ الأُبّي والسنوسي'' جس کی مہر مٹی ہوئی تھی، معلوم ہوا کہ وہ وقف کتاب ہے، ورثاء کا کہنا ہے کہ ان کے والد کے ذمہ قرض تھا، اور عدالتِ شرعیہ نے انہیں (مرحوم کی) مملوکہ وموقوفہ کتابوں کو بیچنے کی اجازت اور حکم دیا ہے، ان کے پاس اس بارے میں (عدالتی) آرڈر موجود ہے۔ اس بنا پر ان کی جانب سے کتب فروشوں کو کتابیں پیش کرنے پر آخر دو ہفتے قبل میں نے وہ کتابیں خرید لی ہیں، ابھی مملوکہ کتابوں کو موقوفہ کتابوں سے الگ کر رہا ہوں، کسی متعین مقام پر موقوفہ کتب کو میں ان کے مقام پر لوٹا دوں گا، اور (جن کتابوں میں) وقفِ مطلق ہوا جیسے وقف لله تعالیٰ، انہیں اپنے پاس محفوظ رکھوں گا۔ مذکورہ کتابِ اُبّی وسنوسی کا کاغذ عمدہ ہے، لیکن جلد خستہ حال ہے، تجدید کی متقاضی ہے، بظاہر مہر کی مٹی ہوئی جگہ میں لکھا تھا: ''وقف لله تعالى لا غير''، لیکن اسے مٹا دیا ہے، اور یہ کتاب اب بہت کم ملتی ہے، سنہ ۱۳۲۷ھ میں سلطان مراکشی مغربِ اقصیٰ مولائی عبد الحفیظ کے خرچ پر شائع ہوئی ہے۔

ضروری امور مکمل ہوئے، مولانا بدرِ عالم، شیخ عبد الغفور صاحب، شیخ مقبول سبحانی صاحب، شیخ ابراہیم صاحب خُتَنی، قاری عباس صاحب، فضل اللہ صاحب اور مولانا احمد، سب آپ کو ہدیۂ سلام پیش کر رہے ہیں۔ میرے گھر والوں کی جانب سے اپنے معزّز اہلِ خانہ اور صاحب زادیوں کو سلام پہنچائیے، آپ کو اور تمام متعلقین کو سلام!

مخلص

محمد نَمَنْگانی کُتُبی

۱۷ر شوال ۱۳۷۳ھ - ۱۸ جون ۱۹۵۴ء

محترم جناب مولانا محمد یوسف صاحب بنوری!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد سلامِ مسنون آنکہ جناب کا والا نامہ صادر ہوا تھا، جواب میں تاخیر ہوئی، معاف فرمائیں۔ وجہ یہ ہوئی کہ بندہ اوائلِ شعبان میں بیمار ہوا، اور تمام رمضان المبارک علالت کا سلسلہ جاری رہا، بخار اور وجعِ مفاصل (جوڑوں کے درد) کی شکایت تھی، اب الحمدللہ بخار نہیں، مگر کمزوری اور کسی قدر درد باقی ہے، جلد ہی ان شاءاللہ رفع ہو جائے گا، دعا کا خواست گار ہوں۔

ماہِ رجب میں دو صاحب' کراچی کے بڑے تاجر ہیں، ایک صاحب نے دوائی خانہ کھول رکھا ہے یا ایجنسی ولایتی دواؤں کی لے رکھی ہے، متوسط قد ہے، اور تبلیغی جماعت سے خاص تعلق ہے، اتفاق سے نام بھی کسی کا یاد نہیں رہا، نام اور پتہ معلوم ہوگا (تو) اطلاع دوں گا، دہلی کے مہاجرین میں سے ہیں، ''پھاٹک حبش خان'' کے رہنے والے ہیں، ان کو دیا تھا کہ یہ مولانا محمد یوسف صاحب کو یا تاج کمپنی والوں کو دے دیں، وہ بہت پختہ وعدہ کر کے لے گئے تھے، مگر آپ کے خط سے پتہ چلتا ہے کہ تاہنوز انہوں نے نہیں پہنچایا، بہت افسوس ہے۔ دوسرے ایک صاحب تھے، طویل قامت جنرل مرچنٹ ہیں، بڑے تاجر ہیں، یہ دو صاحب ہوائی جہاز میں آتے تھے، حیدر معلّم پاکستان کے یہاں قیام کیا تھا، مولانا سید محمود صاحب سے واقفیت تھی، ان شاءاللہ معلّم سے پتہ دریافت کر کے ضرور لکھوں گا، آپ بھی معلوم کرنے کی کوشش فرمائیں، کچھ روپیہ بھی ان کو دینا چاہا تھا، لیکن روپیہ قبول نہیں کیا، صرف جزء سوم ترجمہ قرآن پاک (انگریزی) لے گئے تھے۔ ''نصب الرایة'' پہنچ گئی ہے، تاج کمپنی والوں کا مال جدہ پہنچ گیا، بقیہ کتب بھی ان شاء اللہ عنقریب مل جائیں گی، قیمتِ کتبِ مطلوبہ حسبِ ذیل ہے:

۱-تاریخ ابن کثیر ۸۰ ریال

۲-تفسیر المراغي ۱۵۰ ریال

۳-شرح مسلم الأُبِّي والسنوسي، مصر سے دست یاب ہوگئی، عنقریب ان شاءاللہ آنے والی ہے، جس قیمت سے پہنچے گی، آنے پر اطلاع دوں گا، اس کو آپ کے لیے رکھ دیا جائے گا، جو کتاب پرانی تھی وہ وقف نکلی، اس لیے جدید طلب کی گئی۔

بقیہ سب طرح خیریت، جناب کے لیے ہمیشہ دعا گو ہوں۔ روضۂ اطہر ﷺ پر بھی صلاۃ وسلام عرض کر دیتا ہوں۔ مولانا بدرِ عالم صاحب بخیریت ہیں، سلام فرماتے ہیں۔

مخلص محمد یوسف بنوری (۱)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

(۱) نوٹ: یہ خط خود شیخ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے اردو میں لکھا ہے، جبکہ پچھلے خطوط کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

قرآن کریم سے دوری کا انجام!

انتخاب: حافظ خرم شہزاد، گوجرانوالہ

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا آخری دورۂ تفسیر کے علماء سے آخری خطاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم . الحمد للہ وکفٰی وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی، أما بعد:

''یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ''

ترجمہ: ''اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جو تجھ پہ تیرے رب کی طرف سے اُترا ہے، اُسے پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔''

اب سندیں دینے کا وقت آ گیا ہے، لیکن سندیں دینے سے پہلے کچھ باتیں عرض کر دیتا ہوں۔ غور سے سنیں! ہر قوم کے پاس کوئی نہ کوئی قانون ہوتا ہے، مگر اس وقت ساری دنیا میں سوائے مسلمانوں کے اور کسی کے پاس الہامی کتاب موجود نہیں ہے۔ اور مسلمانوں کے پاس جو دستور العمل ہے، اس کا نام قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید اصل ہے اور حدیث شرح ہے۔ قرآن مجید سمجھنے کے لیے حدیث کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید لاء (قانون) ہے اور حدیث شریف بائی لاز ہیں، اسی لیے تو میں کہا کرتا ہوں جو منکرِ حدیث ہے وہ منکرِ قرآن ہے اور جو منکرِ قرآن ہے، وہ خارج از اسلام یعنی بے ایمان ہے۔

قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس پر ساڑھے تیرہ سو سال گزرنے کے باوجود اس کے عجائبات ختم نہیں ہوئے اور اس میں جواہرات اتنے ہیں کہ ہر ایک کی رسائی نہیں ہو سکتی، ہر ایک کو بقدرِ ہمت حصہ ملتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے جتنا خدا کسی کو چاہتا ہے قرآن مجید کا فہم دیتا ہے: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ یہ قرآن مجید پورا دینی و دنیوی دستور العمل ہے، اگر مسلمان صحیح معنوں میں اس پر عمل کریں تو دنیا میں کوئی قوم کسی حیثیت سے اُن کا مقابلہ نہیں کرسکتی، مگر افسوس اب تو مسلمانوں کے دلوں سے اس کتابِ عزیز کی وقعت ہی نکل گئی ہے، اور اس کا احساس بھی نہیں ہے:

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اور عام لوگوں کو تو رہنے دیجیے، آج کل کے علماء جب مدارس سے فارغ ہوتے ہیں تو صرف، نحو، منطق، فلسفہ میں اپنی تمام عمریں صرف کر دیتے ہیں اور قرآن کے لیے بہت کم لوگوں کا خیال ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ عوام اس مبارک کتاب سے دور بھاگتے جا رہے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک پرانی کتاب ہے، واقعات ہیں اور بس! حالانکہ یہ قرآن مجید تمام اقوام اور زمانوں کے لیے ہے۔ آج کل چاہیے تو یہ کہ جو امراض مسلمانوں میں پیدا ہو چکے ہیں، ان کا حل قرآن وحدیث میں تلاش کیا جائے اور واقعاتِ خصوصی کو عام انداز میں پیش کیا جائے اور ان نقائص سے بچنے کی تلقین کی جائے، جن کی وجہ سے سابقہ قوموں کو عذاب کا مزا چکھنا پڑا، جیسا کہ میں نے اب آپ کو قرآن مجید پڑھایا ہے۔ اس میں دینی و دنیاوی تمام مسائل موجود ہیں۔ معاشرتی، اقتصادی، سیاسی ہر قسم کے قوانین موجود ہیں، اسی لیے آج کل علماء کے لیے الاعتبار والتأویل ضروری ہے، تاکہ قرآن مجید صرف ایک وظیفہ کی کتاب نہ رہ جائے۔

یہ ابتدائی تمام علوم خادمِ قرآن ہیں، مقصود بالذات نہیں ہیں۔ مقصود بالذات صرف قرآن مجید ہے، اور اس کی شرح حدیث شریف ہے۔ میں آپ سب کو نصیحت کرتا ہوں: اپنی اپنی جگہ جا کر قرآنی علوم کی نشر واشاعت کو اپنے ذمہ ضروری ٹھہرالو اور یہی نصب العین حیات بنالو! آپ حضرات نے اپنی عمر کے دس دس، بارہ بارہ سال منطق وفلسفہ پر صرف کر دیے ہیں، مگر قرآن مجید میں غور وفکر نہیں کیا۔ اب جو چیزیں میں نے آپ کو بتلائی ہیں، کیا پہلے آپ کو ان کا علم تھا؟ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ حضرات کو یہاں آنے کی توفیق دی اور مجھے پڑھانے کی۔ میں نے دس سال حضرت (مولانا عبید اللہ) سندھی رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن مجید پڑھا، انھوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں اپنی تمام زندگی قرآن میں صرف کر دوں گا اور اسی کو اپنا نصب العین بناؤں گا۔

(ہفت روزہ ترجمانِ اسلام، ۱۹۷۱ء)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

قرآن کریم کا معجزانہ اسلوبِ بیان (سورۃ الحِجر)

مولانا محمد عارف جمیل قاسمی مبارک پوری
استاذ دارالعلوم دیوبند

قرآن کریم وہ معجزاتی کتاب ہے، جس کی ہم مثل چند آیتیں پیش کرنے سے بھی آج تک دنیا بے بس وعاجز ہے، اور نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ معجزہ ہے جو روزِ بعثت سے آج تک سارے عالم کے لیے چیلنج بنا ہوا ہے، ماضی میں کتنی ہی بار اس جیسی آیات پیش کرنے کی ناکام وناپاک کوشش کی گئی؛ لیکن ساری کوششیں ''خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ'' کا مصداق بنیں۔ قرآن کریم پڑھتے ہوئے بہت سے الفاظ وکلمات پر آدمی رک جاتا ہے اور اس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن کریم ایجاز واعجاز دونوں صفات کی حامل کتاب ہے، تو بہت سی بدیہی باتوں کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یا بہت سے الفاظ وحروف ایسے آئے ہیں، جن کے بغیر کلام پورا ہوتا ہے اور ان کا ذکر کرنا قرآن کریم کے ایجاز واختصار کے منافی ہے۔ زیرِ بحث مضمون میں بہ طور مثال ''سورۃ الحِجر'' میں موجود اس طرح کے سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

1-فرمانِ باری:

''وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ''

''ہم نے جتنی بستیاں ہلاک کی ہیں، ان سب کے لیے ایک معیّن وقت نوشتہ ہوتا رہا ہے۔''

''وَلَهَا كِتَابٌ'' میں واو کے اضافہ کا فائدہ

یہاں پر ''وَلَهَا كِتَابٌ'' میں واو آیا ہے، حالاں کہ اس کے بغیر بھی کلام مکمل تھا، پھر اس کا کیا فائدہ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ واو کے بغیر آئے، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں آیا ہے: ''وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ'' (الشعراء: ۲۰۸)، یہاں واو آنے کا فائدہ، موصوف کے ساتھ صفت کے اتصال کو مؤکد کرنا ہے، مثلاً کہا جاتا ہے: ''جاء ني زيد عليه ثوب، وجاء ني

وعلیه ثوب‘‘۔(۱)

ابن عطیہؒ فرماتے ہیں:

یہاں پر واو حالیہ ہے۔ اس کے بعد ابن المنذرؒ کا یہ قول نقل کیا کہ یہ وہی واو ہے جو بتاتا ہے کہ واو کے بعد کی حالت اس سے پہلے کی حالت ہی ہے، جیسا کہ اس فرمان باری میں ہے: ’’حَتّٰٓى إِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا‘‘ (الزمر:۷۳)(۲)

❷-فرمانِ باری:

’’وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ‘‘

’’اور ہم تمہارے اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور ہم تمہارے پچھلوں کو بھی جانتے ہیں۔‘‘

فعل ’’وَلَقَدْ عَلِمْنَا‘‘ دوبارہ لانے کا فائدہ

یہاں پر فعل ’’وَلَقَدْ عَلِمْنَا‘‘ دوبار آیا ہے، اس میں کیا حکمت ہے؟

ابوالسعودؒ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

فعل ’’وَلَقَدْ عَلِمْنَا‘‘ کے مکرر لانے میں جو کمالِ تاکید پر دلالت ہے، وہ مخفی نہیں۔(۳)

❸-فرمانِ باری:

’’فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ‘‘

’’سو سارے کے سارے فرشتوں نے (آدمؑ کو) سجدہ کیا۔‘‘

’’اَجْمَعُوْنَ‘‘ کے ذریعہ دوبارہ تاکید لانے کا فائدہ

تاکید کا مفہوم ’’كُلُّهُمْ‘‘ سے حاصل تھا، پھر ’’اَجْمَعُوْنَ‘‘ کے ذریعہ دوبارہ تاکید لانے کا کیا فائدہ ہے؟

اس کے کئی جوابات دیے گئے ہیں:

اول: خلیلؒ اور سیبویہؒ نے کہا کہ ’’كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ‘‘ تاکید در تاکید ہے۔(۴)

ابوحیانؒ نے ابن عطیہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ’’اَجْمَعُوْنَ‘‘ تاکید ہے اور اس میں حال کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے قول کی طرف میلان ہے جو کہتے ہیں کہ ’’اَجْمَعُوْنَ‘‘ اتحادِ وقت پر دلالت کرتا ہے؛ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ’’اَجْمَعُوْنَ‘‘ کا مفہوم وہی ہے جو ’’كُلُّهُمْ‘‘ کا ہے۔(۵)

ابوالسعودؒ کہتے ہیں:

’’كُلُّهُمْ‘‘ یعنی ان میں سے کوئی نہیں چھوٹا، اور ’’اَجْمَعُوْنَ‘‘ یعنی ان میں سے کوئی بھی کسی سے پیچھے نہیں رہا اور صرف حال ہی یہ معنی نہیں دیتا؛ بلکہ تاکید بھی یہ معنی دیتی ہے؛ کیوں کہ اشتقاقِ واضح سے معلوم

ہوتا ہے کہ اس میں جمعیت اور معیت کا معنی وضع کے اعتبار سے ہے، اور خطاب میں اصل یہ ہے کہ اس کو کسی چیز کی کامل ترین حالت پر اُتارا جائے اور بلاشبہ ساتھ ساتھ سجدہ کرنا سجدہ کی کامل ترین نوع ہے؛ لیکن اس کا استعمال تاکید کے لیے شائع ہے اور اس کو احاطہ کا معنی دینے میں (کل) کے قائم مقام رکھا گیا ہے، اس میں کمال کو نہیں دیکھا گیا اور اگر اِحاطہ دوسرے الفاظ سے سمجھ میں آجائے، تو کلام کو لغو سے بچانے کے لیے اصل کی رعایت ناگزیر ہے۔ (۶)

دوم: مبردؒ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ اگر یوں کہتے: ''فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ'' تو احتمال باقی تھا کہ بعض نے سجدہ کیا ہو، جب ''كُلُّهُمْ'' کہہ دیا تو یہ احتمال زائل ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ سب نے سجدہ کیا ہے، اس کے بعد ایک اور احتمال رہ جاتا ہے، وہ یہ کہ کیا سب نے یکبارگی سجدہ کیا اور ہر ایک نے الگ الگ وقت میں سجدہ کیا؟ لہٰذا جب ''اَجْمَعُوْنَ'' کہہ دیا تو معلوم ہوگیا کہ یکبارگی سجدہ کیا ہے۔ علامہ زجاجؒ نے مبردؒ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا: خلیلؒ اور سیبویہؒ کا قول اس سے بہتر ہے؛ اس لیے کہ ''اَجْمَعُوْنَ'' معرفہ ہے، لہٰذا حال نہیں ہوگا۔ (۷)

❹-فرمانِ باری:

''اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ۔''

''بے شک خدا سے ڈرنے والے (یعنی اہلِ ایمان) باغوں اور چشموں میں (بستے) ہوں گے، تم ان میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو۔''

یہاں پر بدیہیات کے دو مقام ہیں:

① - مقامِ اول: جنت میں ہونے کے باوجود، داخل ہونے کا حکم دینے کا فائدہ

پہلی آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنتوں اور باغات میں ہوں گے، پھر اس کے بعد ''اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ'' میں داخل ہوجانے کا کیا مطلب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بہت ساری جنتوں میں ہوں گے اور جب ایک جنت سے دوسری جنت میں جانا چاہیں گے تو کہا جائے گا: ''اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ'' (۸)

② - مقامِ دوم: ''بِسَلٰمٍ'' کے بعد ''اٰمِنِيْنَ'' لانے کا فائدہ

''بِسَلٰمٍ'' کے لفظ سے معلوم ہوگیا کہ ان کا داخلہ سلامتی وامن کے ساتھ ہوگا، پھر ''اٰمِنِيْنَ'' کہنے میں کیا حکمت ہے؟ اس کے کئی جوابات دیے گئے ہیں:

اول: سلامتی سے مراد جسمانی سلامتی اور امن سے مراد دوسری سلامتی ہے۔ (۹)

دوم: امام رازیؒ فرماتے ہیں:

''اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ'' سے مراد یہ ہے کہ فی الحال تمام آفات سے سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤ، اسی کے ساتھ یہ قطعی ہے کہ یہ سلامتی باقی رہے گی اور اس کے زوال سے امن ہوگا۔ (۱۰)

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

''بِسَلٰمٍ'' سے مراد فی الحال آفت سے سلامتی اور ''اٰمِنِيْنَ'' سے مراد آئندہ آفت آنے سے امن کے ساتھ داخل ہوجاؤ۔ (۱۱)

سوم: ''بِسَلٰمٍ'' سے مراد یہ ہے کہ تم کو سلام کیا جائے گا اور یہ ''اٰمِنِيْنَ'' کے مفہوم سے مختلف ہے۔ (۱۲)

5- فرمانِ باری:

''قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنِ''

'' ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کہ: کیا تم مجھ کو اس حالت پر (فرزند) کی بشارت دیتے ہو کہ مجھ پر بڑھاپا آ گیا ہے؟ سو کس چیز کی بشارت دیتے ہو؟''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے بہ ظاہر استبعاد کی وجہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کس طرح، بڑھاپے میں اولاد پیدا کرنے پر اللہ کی قدرت کو بعید سمجھا؛ حالاں کہ اللہ کی قدرت کا انکار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شایانِ شان نہیں؟ اس کے کئی جوابات دیے گئے ہیں:

اول: امام رازیؒ فرماتے ہیں:

قاضی صاحبؒ (باقلانی) نے فرمایا کہ اس کا سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو یہ اولاد، بڑھاپے کو باقی رکھتے ہوئے عطا کریں گے یا ان کو دوبارہ جوان بنادیں گے، پھر اولاد عطا کریں گے اور اس سوال کی وجہ یہ ہے کہ مکمل بڑھاپے کی حالت میں عادتاً اولاد نہیں ہوتی؛ بلکہ جوانی میں ہوتی ہے۔ (۱۳)

دوم: زمخشری کہتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ کیا تم مجھے بڑھاپے کے ساتھ اولاد کی بشارت سنا رہے ہو، یعنی بڑھاپے میں اولاد ہونا عادتاً عجیب و غریب بات ہے، ''فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ'' یہ ما استفہامیہ ہے، اس میں تعجب کا معنی آ گیا ہے، گویا وہ یہ کہہ رہے ہے کہ تم مجھے کون سے عجوبے کی بشارت سنا رہے ہو، یا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تم مجھے عادتاً غیر متصور چیز کی بشارت سنا رہے ہو، یعنی تم کسی حقیقی بات کی بشارت نہیں سنا رہے ہو، اس لیے کہ اس طرح بشارت، عدم کے درجہ میں ہے۔ (۱۴)

ابن عاشور کہتے ہیں:

’’علی‘‘، ’’مع‘‘ کے معنی میں ہے، جو بڑھاپا آنے کے ساتھ بشارت کے شدتِ اتصال واقتران کو بتا رہا ہے، اور آیت کا مطلب، بڑھاپے میں اولاد کی بشارت پر تعجب کرنا ہے، اور اس تعجب کو دوسرے استفہام ’’فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ‘‘ کے ذریعہ مؤکد کیا گیا ہے، انہوں نے ایک معلوم شدہ عجیب چیز کو غیر معلوم کے درجہ میں رکھ دیا ہے؛ کیوں کہ یہ قریب قریب غیر معلوم چیز ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت کے ذریعہ یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ فرشتے ہیں، لہٰذا یہ استفہام متعین طور تعجب کے لیے ہے۔ (۱۵)

سوم: امام زمخشری کہتے ہیں:

ہوسکتا ہے کہ یہ صورت اور ذریعہ کا سوال ہو، یعنی کس صورت میں تم مجھے اولاد کی بشارت سناتے ہو، اس طرح کی بشارت کی عادتاً کوئی صورت نہیں ہے۔ (۱۶)

❻-فرمانِ باری:

’’قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ‘‘

’’وہ (فرشتے) بولے کہ ہم آپ کو امرِ واقعی کی بشارت دیتے ہیں، سو آپ نا اُمید نہ ہوں۔‘‘

حضرت ابراہیم علیہ السلام مایوس نہیں تھے اس کے باوجود ممانعت کا فائدہ

یہ معلوم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نا اُمید نہیں تھے، پھر ان کو نا اُمیدی سے روکنے کا کیا فائدہ ہے؟

ابوحیانؒ نے اس کا یہ جواب دیا کہ: ’’فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ‘‘ نہی ہے اور کسی چیز سے نہی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مخاطب اس میں ملوث یا اس سے مقترن ہے اور ’’وَمَنْ يَّقْنَطُ‘‘ ان کا جواب ہے اور یہ بتانا ہے کہ بشارت کے بارے میں کلام کا مطلب نا اُمیدی نہیں ہے؛ بلکہ یہ استبعاد کے طور پر ہے، جیسا کہ عادت جاری ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی عمر میں بچہ ملنا اللہ کی رحمت ہے؛ کیوں کہ والد کو تقویت دے گا اور ان کی پشت پناہی کرے گا؛ جب کہ وہ اکیلے یہ کام نہیں کر سکتے، نیز ان کے علم ودین کا وارث ہوگا۔ (۱۷)

علامہ آلوسیؒ کہتے ہیں:

’’فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ‘‘ یعنی خرقِ عادت سے مایوس نہ ہوں؛ کیوں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاتھوں خوارقِ عادت کا ظہور کثرت سے ہوتا ہے، حتیٰ کہ ان حضرات کے لیے یہ خارق عادت نہیں مانا جاتا۔ (۱۸)

❼-فرمانِ باری:

’’قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ‘‘

’’فرمانے لگے: (تو یہ بتلاؤ کہ) اب تم کو کیا مہم در پیش ہے اے فرشتو!۔‘‘

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا فائدہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اولاد کی بشارت سنانے آئے تھے، تو اس سوال کا کیا فائدہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ جماعت کی شکل میں آئے ہیں، جو کسی اہم بڑے کام کے لیے ہوگا؛ کیوں کہ صرف بشارت سنانے کے لیے ایک فرشتہ بھی کافی تھا، چناں چہ انہوں نے پوچھا تو فرشتوں نے قومِ لوط کا معاملہ ذکر کیا۔ (۱۹)

8-فرمانِ باری:

''وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۔''

''اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو (نماز میں) مکرر پڑھی جاتی ہیں اور قرآنِ عظیم دیا۔''

عطف الشيئ علی نفسہٖ کا فائدہ

''وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ '' کا ''سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ '' پر عطف، عطف الشیء علی نفسہٖ کی قبیل سے ہے، جو درست نہیں؛ اس لیے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ضروری ہے؟

اس کے دو جواب دیے گئے ہیں:

اول: ''سَبْعًا '' سے مراد سورتِ فاتحہ یا طوالِ مفصل سورتیں ہیں اور ان کے علاوہ کو ''الْقُرْاٰنَ '' کہا گیا ہے؛ کیوں کہ قرآن کا لفظ جس طرح پورے قرآن پر بولا جاتا ہے، اسی طرح بعض قرآن پر بھی بولا جاتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے سورۂ یوسف کے بارے میں فرمایا: ''بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ '' یعنی سورت یوسف۔ (۲۰)

دوم: آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو وہ چیز جس کو سبع مثانی کہا جاتا ہے دی گئی اور قرآن عظیم دیا گیا، یعنی جس کے اندر یہ دونوں صفات ہیں: ثناء یا بار بار پڑھی جانے والی اور عظمت والی۔ (۲۱)

امام رازیؒ کہتے ہیں:

صحیح جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا بعض حصہ، اس کے مجموعہ سے الگ ہے، تو اس قدر مغایرت ہی عطف کے بہتر ہونے میں کافی کیوں نہ ہو؟ واللہ اعلم۔ (۲۲)

ابن عاشورؒ کہتے ہیں:

''الْقُرْاٰنَ '' کا ''سَبْعًا '' پر عطف، عطف الکل علی الجزء کی قبیل سے ہے؛ اس کا مقصد تعمیم ہے، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ پورے قرآن کا عطا کیا جانا بہت بڑی نعمت ہے (۲۳)

۹-فرمانِ باری:

’’وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ‘‘

’’اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے، یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔‘‘

’’حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ‘‘ کی قید کا فائدہ

ہر آدمی جانتا ہے کہ موت کے بعد عبادات ساقط ہوجاتی ہیں، اس کے بعد کوئی عبادت نہیں، پھر آپ ﷺ کو موت آنے تک عبادت کرنے کا حکم دینے میں کیا حکمت ہے؟ اس کے کئی جوابات دیے گئے ہیں:

اول: امام رازیؒ فرماتے ہیں:

’’اس سے مراد یہ ہے کہ آپ پوری زندگی اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے، زندگی کا کوئی لمحہ اس سے خالی نہیں ہونا چاہیے، واللہ اعلم۔‘‘(۲۴)

زمخشری کہتے ہیں:

’’یقین یعنی موت آنے تک اپنے رب کی عبادت پر قائم ودائم رہیے، یعنی جب تک جی میں جی ہے، اس کی عبادت میں خلل نہ آئے۔‘‘(۲۵)

دوم: ابن عاشورؒ فرماتے ہیں:

’’یقینی قطعی اور غیر مشکوک چیز سے مراد، وہ مدد ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے وعدہ فرمایا تھا۔‘‘(۲۶)، لہٰذا اشکال وارد ہی نہیں۔

حواشی

۱-زمخشری ۳/۲۹۸۔
۲-ابن عطیہ ۴/۱۱۷۔
۳-ابوسعود ۴/۱۷۔
۴-رازی ۹/۳۰۵۔
۵-ابوحیان ۷/۱۹۵۔
۶-ابوسعود ۴/۷۳۔
۷-رازی ۹/۳۰۵۔
۸-الروض الریان، ص ۱۷۳۔
۹-آلوسی ۱۰/۱۸۔
۱۰-رازی ۹/۳۱۶۔
۱۱-آلوسی ۱۰/۱۸۔
۱۲-ابوسعود ۴/۸۰؛ آلوسی ۱۰/۱۸۔
۱۳-رازی تفسیر آیت؛ مسائل الرازی، ص ۱۷۶۔
۱۴-رازی تفسیر آیت۔
۱۵-ابن عاشور تفسیر آیت۔
۱۶-حوالہ بالا۔
۱۷-ابوحیان ۷/۱۹۸۔
۱۸-آلوسی ۱۰/۲۸۔
۱۹-الروض الریان، ص ۱۷۷۔
۲۰-زمخشری ۳/۳۲۳۔
۲۱-حوالہ بالا۔
۲۲-رازی تفسیر آیت۔
۲۳-ابن عاشور تفسیر آیت۔
۲۴-رازی تفسیر آیت۔
۲۵-زمخشری تفسیر آیت۔
۲۶-ابن عاشور تفسیر آیت

(بشکریہ ماہنامہ دار العلوم دیوبند)

غزہ کی خاموش چیخیں اور ایمان کا چراغ

مولانا فضیل اختر قاسمی بھیروی
انڈیا

زمین کی گود میں کبھی ایسی بستیاں آباد تھیں جہاں اذانوں کی صدا فضا کو معطر کرتی، جہاں بچوں کی ہنسی اور ماؤں کی دعائیں امن کی نشانی تھیں، مگر آج وہی بستیاں خون و آنسوؤں میں لتھڑی ہیں۔ غزہ وہ مقدس اور متبرک شہر ہے، جس نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قدموں کی خاک جذب کی، آج ظلم و بربریت کی دھول میں لپٹا ہوا ہے۔ وہاں کے لوگ خالی پیٹ ضرور ہیں، لیکن دلوں میں ایمان کی روشنی روشن ہے۔ وہ بھوکے ہیں، مگر صبر اور غیرت کے پیکر ہیں۔ دنیا کے شور وشر کے بیچ ان کے ہونٹ خاموش ہیں، مگر دلوں میں یقین کی صدا گونج رہی ہے۔ یہ وہ قوم ہے جو ملبے پر بھی ''اللہ اکبر'' کہہ کر اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

''وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ'' (سورۃ البقرہ:۱۵۵)

ترجمہ: ''اور (دیکھو) ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجیے۔''

غزہ کی سرزمین آج بھی اپنے زخمی وجود کے ساتھ آسمان کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی ہے۔ وہاں کے چہرے، جن پر کبھی ایمان کی روشنی اور عزم کی چمک دیکھی جاتی تھی، آج بھوک، پیاس، اور اذیت کے غبار میں چھپ چکے ہیں۔ یہ وہی ارضِ مقدس ہے جہاں انبیائے کرام علیہم السلام نے توحید کی مشعلیں روشن کیں، مگر آج وہاں کے بچے نوالۂ رزق کے لیے آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے کھڑے ہیں۔ ان کے ہونٹ خشک ہیں، مگر زبانوں پر شکوہ نہیں۔ سسکیاں ہیں، مگر دلوں میں یقین کی حرارت باقی ہے۔ یہیں سے سنائی دیتی ہیں غزہ کی خاموش چیخیں، جو دلوں کو جھنجوڑ کر ایمان کے چراغ کو روشن کرتی ہیں۔

دنیا کے ضمیر پر گویا پتھر رکھ دیا گیا ہے۔ وہی اقوام جو انسانیت، آزادی، اور مساوات کے نعرے لگاتی ہیں، آج ظلم کے مجرموں کے ساتھ کھڑی ہیں۔ وہی طاقتیں جو امن کے سفیر ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں، آج خاموش تماشائی بن کر معصوم بچوں کے جسموں پر برسنے والے بارود کو دیکھ رہی ہیں۔ انسانی حقوق کے علمبردار، انسانیت کے سب سے بڑے قاتلوں کے حامی بن چکے ہیں۔ ظلم نے اپنی آخری حدوں کو پار کرلیا ہے اور انصاف کہیں گہرے غاروں میں دفن ہو چکا ہے۔

خداوندِ قدوس نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ''

(سورۃ آلِ عمران، آیت: ۱۶۹)

ترجمہ: ''اور (اے مخاطب!) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مردہ مت خیال کر، بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں، ان کو رزق بھی ملتا ہے۔''

غزہ کی گلیوں میں اب زندگی نہیں، صرف دھواں ہے۔ وہ دھواں جو گھروں کے جلنے سے نہیں، خوابوں کے بکھرنے سے اُٹھتا ہے۔ ماؤں کی آہیں فضا کو چیر کر عرش تک جا پہنچتی ہیں، مگر زمین پر کوئی سننے والا نہیں۔ بچوں کے چہرے، جن پر کبھی مسکراہٹیں بکھرتی تھیں، اب خوف کے سائے میں لرز رہے ہیں۔ یہ وہی معصوم روحیں ہیں جن کے ہاتھوں میں کتابیں ہونی چاہئیں تھیں، مگر آج وہ ہاتھ ملبے کے نیچے دبے اپنے والدین کو تلاش کر رہے ہیں۔ دنیا کی خاموشی خود ایک جرم بن چکی ہے۔ ظالم کے ہاتھ مضبوط اسی وقت ہوتے ہیں جب انصاف کی زبان خاموش ہو جائے۔ اقوامِ عالم کی بے حسی اس بات کی دلیل ہے کہ انسانیت کی لاش اب سیاسی مفادات کے فرش پر پڑی سڑ رہی ہے۔ سفارت کاری کے ایوانوں میں بحثیں ہو رہی ہیں، اجلاس بلائے جا رہے ہیں، مگر کسی کے دل پر ایک ننھے فلسطینی بچے کے آنسوؤں کا بوجھ نہیں۔ ظلم کی یہ آندھی، جو ہر روز معصوم چہروں کو نگل رہی ہے، شاید دنیا کے ضمیر کو بھی بہا لے گئی ہے۔

افلاس نے فلسطینی خیموں میں ڈیرہ ڈال لیا ہے۔ ماؤں کے پاس دودھ نہیں، مگر گودوں میں بلکتے بچے ہیں۔ روٹی کا ایک ٹکڑا، پانی کا ایک قطرہ، اب وہاں خزانے سے کم نہیں۔ مگر ان کی نگاہوں میں اب بھی استقامت ہے، دلوں میں ایمان کی چنگاری جل رہی ہے، ان کی غیرت کے سوتے خشک نہیں ہوئے، ان کے قدموں کی مٹی میں شہادت کی خوشبو بسی ہے، آنکھوں میں آزادی کے خواب زندہ ہیں۔

''قال رسول اللہ ﷺ: '' لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ عَلَى الحَقِّ ظَاهِرِيْنَ، لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَالَفَهُمْ، حَتّٰى يَأْتِيَ اَمْرُ اللهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ.'' (صحیح مسلم)

ترجمہ: ’’میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، ان کا کوئی مخالف ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے۔‘‘

وقت کے ظالم بادشاہوں کو شاید معلوم نہیں کہ ظلم ہمیشہ باقی نہیں رہتا، ایک دن تاریخ ان کے چہروں سے نقاب نوچ لے گی۔ زمین پر بہنے والا ہر قطرۂ خون، آسمان کے دفتر میں ایک گواہی بن کر محفوظ ہے۔ ہر چیخ، ہر سسکی، ہر آہ ایک دن عدلِ الٰہی کے سامنے دلیل بن کر کھڑی ہوگی۔ وہ دن ضرور آئے گا جب غزہ کے زخم پھولوں میں بدل جائیں گے، اذیتوں کی راکھ سے امید کا چراغ پھر روشن ہوگا۔

فلسطین کے لوگوں کا صبر دراصل ایمان کی تعبیر ہے، ان کی بھوک قربانی کی علامت ہے۔ وہ دنیا کو یاد دلا رہے ہیں کہ ایمان صرف زبان کا اقرار نہیں، بلکہ جسم اور جان سے ادا کیا جانے والا عہد ہے۔ وہ کمزور ہیں، مگر جھکے نہیں، ہارے نہیں۔ ان کے پیروں تلے ملبہ ہے، مگر دلوں میں قرآن کی طاقت ہے۔ ان کی سسکیاں دنیا کے ایوانوں سے بلند ہیں، ان کی خاموشی ظلم کے تختوں کو ہلا دینے والی ہے۔

یہ جنگ صرف زمین کی نہیں، ایمان اور کفر کی کشمکش ہے۔ ایک طرف طاقت کے ہتھیار، دوسری طرف یقین کے سجدے۔ ایک طرف بم، دوسری طرف دعائیں۔ ایک طرف دنیا کی حمایت یافتہ فوج، دوسری طرف خدا پر یقین رکھنے والی مائیں، وہ مائیں جو اپنے بچوں کی شہادت پر آنسو نہیں بہاتیں، بلکہ مسکرا کر کہتی ہیں: ’’الحمد للہ، میرا بیٹا جنت میں چلا گیا۔‘‘ فلسطین کی کہانی ختم نہیں ہوئی، یہ ایک جاری داستان ہے، جس کے ہر صفحے پر ایمان لکھا جارہا ہے، ہر سطر میں قربانی رقم ہورہی ہے۔ دنیا چاہے جتنی بھی اندھی ہوجائے، مگر ظلم کی یہ سیاہی ایک دن ضرور مٹ جائے گی، کیونکہ جس قوم کے دلوں میں قرآن بستا ہو، اس کو مٹانے والا کوئی پیدا نہیں ہوا۔

اب وقت ہے کہ ہم عالم، دانشور اور وہ سب لوگ جو کتابوں اور فکر کی روشنی میں روشنی بانٹتے ہیں، اپنی خاموشی توڑیں۔ آپ کی علمی طاقت اور روحانی بصیرت، غزہ کی خاموش چیخوں کو سننے اور مظلوموں کے لیے آواز اُٹھانے میں روشنی ڈال سکتی ہے۔ دنیا کے ضمیر کو جگانے، ظلم کے خلاف علم و عمل کی شمع جلانے، اور ایمان و انصاف کی راہ میں قدم بڑھانے کا وقت اب ہے۔ اگر ہم نے آج خاموشی اختیار کی، تو مظلوم کی چیخیں ہمارے علم اور طاقت کے گواہ کے طور پر تاریخ میں ثبت ہوں گی، لہٰذا ہر عالم اور فاضل کو چاہیے کہ وہ اپنے علم، اپنی قلم اور اپنی آواز سے فلسطینیوں کے حق میں کھڑا ہو اور دنیا کو یاد دلائے کہ ظلم کبھی باقی نہیں رہتا، اور حق کی حمایت ہر دور میں فریضہ ہے۔

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

سنی سنائی بات کی تحقیق کی ضرورت اور سوشل میڈیا

مولانا عبدالمتین
لیاری، کراچی

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

’’یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَہَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ‘‘ (الحجرات:۶)

’’اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو خوب تحقیق کرلیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچادو، پھر اپنے کیے پر پچھتانا پڑے۔‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بہت اہم اور نازک معاملے سے متعلق متوجہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ: کسی بھی معاملے سے متعلق پہلے بھرپور تحقیق سے کام لیا جائے، چاہے وہ معاملہ دینی ہو یا دنیوی، گھریلو، دفتری، انتظامی، سیاسی ہو یا آپس کے تعلقات سے متعلق، الغرض کوئی بھی ایسی بات پتہ چلے تو جب تک اس کی مکمل تحقیق نہ ہوجائے، بات مکمل واضح نہ ہوجائے، تب تک اس پر نہ یقین کرو، نہ عمل کرو، نہ ہی اس حوالے سے کوئی ایکشن لو۔

دورِ حاضر کی نزاکت

موجودہ زمانے سے اس اُصول کا بہت گہرا تعلق ہے، سوشل میڈیا کا زمانہ ہے جس میں ہر طرف سے خبریں آرہی ہیں، ہر طرف سے معلومات کے دروازے کھلے ہوئے ہیں تو ایسے موقع پر بڑی نزاکت کے ساتھ ان چیزوں کو سمجھنا ضروری ہے۔

بات کرنے والا کون ہے؟

لہٰذا سب سے پہلے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ جو شخص بات کر رہا ہے، وہ خود کیسا ہے؟! اس

کے اپنے اندر کتنی سچائی ہے؟! اس کا کردار واخلاق کیسا ہے؟! کہیں وہ کوئی مشکوک یا کمزور کردار کا مالک تو نہیں؟؟! ایسا تو نہیں کہ وہ جہاں کہیں سے جیسی تیسی ادھوری بات سن لیتا ہے تو فوراً آگے پھیلا دیتا ہے؟!

آپس کے تعلقات میں رنجشیں کیسے پیدا ہوتی ہیں؟

عام طور پر آپس کے تعلقات میں جو رنجشیں پیدا ہوتی ہیں، اس کی سب سے بڑی وجہ ہر سنی سنائی بات پر فوری یقین کرنا ہے، مثلاً کوئی شخص آئے اور کہے کہ: ''آپ کو پتہ ہے فلاں شخص آپ کے متعلق اس طرح کہہ رہا تھا؟!'' اس جملے سے بظاہر یوں لگتا ہے کہ ایک مخلص دوست کی پرواہ کی جارہی ہے، لیکن ذرا سا غور کیا جائے تو ممکن ہے کہ اس بات کے پہنچانے میں اس شخص کے بہت سے اپنے مفادات ہو سکتے ہیں، ہوسکتا ہے اسے اپنا کوئی کام نکالنا ہو اور جھوٹی ہمدردی کا ڈھونگ رچا رہا ہو اور اپنے مقصد کی خاطر جھوٹ کہہ رہا ہو۔

یہاں تک کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بات بہت چھوٹی سی ہوتی ہے، بتانے والا اس چھوٹی بات کو اپنے مقصد کی خاطر بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے اور من پسند نتائج نکال کر ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے اور یہ باتوں باتوں میں ایسا بھی کہہ دیتا ہے کہ: ''میں آپ کو دوستی یاری میں یہ سب بتا تو رہا ہوں، لیکن خیال رکھنا میرا نام نہ آئے۔'' گویا یہ آگ بھی جلاتا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ میرا نام نہ آئے، تاکہ بات اگر بگڑ جائے تو مجھ پر حرف نہ آئے، بلکہ یہ اکیلے ہی نمٹے، بالآخر یہ صاحب بعد میں اَنجان بن کر لاعلمی کا مظاہرہ کررہے ہوتے ہیں۔

ایسے موقع پر ہم جذبات میں آکر اس کی بات کا یقین کر لیتے ہیں، یہ سوچ کر کہ یہ میرے ساتھ مخلص ہے، میرے حق میں بات کر رہا ہے، میرا ہمدرد ہے، لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ معاملہ ریت کے ذرے برابر تھا، جسے پہاڑ بنا کر میرے سامنے پیش کیا گیا، ٹھیک ایسے ہی جیسے غبارے ہوتے ہیں جو اپنے ظاہر میں بہت موٹے تازے، چمکدار اور پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، لیکن ایک سوئی کی چبھن سے بے حیثیت ہوجاتے ہیں، اسی طرح کچھ معاملات بہت بڑے اور خطرناک معلوم ہوتے ہیں، لیکن ایک تحقیق اور تفتیش کا عمل ساری قلعی کھول دیتا ہے کہ کیا کہا جارہا تھا اور حقیقت کیا ہے؟!

غیبت کرنے والے کی عجیب کمزوری

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عجیب بات ذکر فرمائی کہ: ''جو شخص آپ کے پاس آکر کسی کی غیبت کرتا ہے، کسی کا برا تذکرہ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوسروں کے پاس جاکر آپ کا بھی برا تذکرہ کرتا ہوگا، کیونکہ اس کے اندر ایسا مرض موجود ہے، جسے یہ اپنی ذات تک محدود نہیں رکھ سکتا۔ آپ کو بظاہر یوں لگتا

ہے کہ یہ تو میرے ساتھ ہے، لیکن مجلس برخاست ہوتے ہی وہ کسی اور کے ساتھ ہو جاتا ہے اور وہاں پر آپ کی ذات کو موضوع بناتا ہے۔

جلد بازی میں فیصلہ کرنے کے نقصانات

اللہ رب العزت نے ایسے لوگوں سے متعلق یہ حکم بیان فرمایا کہ اگر کبھی ایسا ہو جائے کہ آپ کے پاس کوئی کچا آدمی آجائے اور کوئی بات بتائے تو فوراً اس کی بات پر یقین مت کرنا، بلکہ پہلے خوب تحقیق سے کام لینا اور بات کو مستند ذرائع سے سمجھنے کی کوشش کرنا۔ تحقیق سے بات معلوم ہو جائے تو ٹھیک، وگرنہ جلد بازی میں کوئی قدم مت اُٹھانا، کیونکہ بغیر تحقیق کے کوئی بھی قدم اُٹھانا بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں یہ کہنا پڑے کہ: ''کاش! میں فلاں کی باتوں میں نہ آتا''، ''پہلے بات کی تصدیق کر لیتا''، وغیرہ۔

گھریلو ناچاقیاں

اسی طرح گھریلو زندگی میں جہاں بہت سے لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں، ظاہر ہے جب کچھ لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں تو انسانی طبیعت کے مختلف ہونے کی وجہ سے کافی معاملات پیش آسکتے ہیں، تبھی علماء فرماتے ہیں: گھریلو زندگی احسان کے اصول کو اپنائے بغیر نہیں گزاری جاسکتی، لہٰذا اگر کوئی شخص ہر چھوٹی موٹی بات کا بدلہ لینا شروع کر دے، ہر وقت گھر والوں کے رویوں کا، باتوں کا گلہ کرنے لگے تو زندگی اجیرن بن جاتی ہے اور سکون ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل پاتا، مثلاً گھر میں زبان سے کسی کے بارے میں کوئی بات نکل جاتی ہے، لیکن سننے والا اس بات کو بنا سنوار کر آگے بتا دیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ یہ تو آپ کے بارے میں ایسا کچھ کہہ رہا تھا، فلاں کے سامنے آپ کا نام آیا تو اس نے اس طرح کا منہ بنایا، ناگواری دکھائی، آپ کی یہ چیز اُٹھا کر لے گیا، آپ کی کمائی یا کھانے پینے پر ایسا ایسا کہا گیا، وغیرہ، وغیرہ۔

اُصولی بات

ایسے تمام معاملات کی صورت میں ایک اُصول یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ جو مجھے یہ سب بتا رہا ہے، وہ خود کیسا ہے؟ اس کی بات میں کتنا وزن ہے؟ اس کی بات کا یقین کیا جائے یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ ہر جگہ یہی کرتا ہے، جیسے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ہر کسی کے پاس جا کر کوئی نہ کوئی ایسی گرما گرم بات ضرور کر دیتے ہیں کہ فلاں کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا، فلاں نے یہ کیا، فلاں علاقے میں یہ ہوا۔ ایسے لوگ نیوز رپورٹر کی طرح ہر ایک کے پاس خبریں پہنچاتے رہتے ہیں جو درحقیقت سنجیدگی سے سننے کے لائق ہی نہیں ہیں، نہ ہی اعتبار کے قابل ہیں۔

میاں بیوی کا عجیب واقعہ

ایک مرتبہ شوہر کو اپنی بیوی پر شک ہو گیا کہ تم حاملہ ہو، لیکن یہ میری اولاد نہیں ہے، بلکہ کسی اور کی اولاد ہے، تو اس کی اہلیہ نے کہا کہ ایسا کرتے ہیں کہ ٹیسٹ کرواتے ہیں، پھر معلوم ہو جائے گا کہ یہ اولاد آپ ہی کی ہے یا نہیں۔ جب ٹیسٹ کروایا تو رپورٹ کے مطابق ڈی این اے شوہر کا نہیں تھا، بلکہ کسی اور کا تھا، شوہر نے بیوی کو کھڑے کھڑے تین طلاقیں دے دیں، لیکن اسی وقت کاؤنٹر سے آواز آئی کہ ہم نے آپ کے ہاتھ غلط رپورٹ تھما دی تھی، جب کہ آپ کی رپورٹ یہ ہے اور اس رپورٹ کے مطابق وہ اس کا اپنا ڈی این اے تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے بہت سے گھریلو معاملات ہیں جن میں بڑی سختی اور جذباتیت کے ساتھ ہم قدم اُٹھاتے ہیں، لیکن کچھ ہی وقت میں ہمیں بڑی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بہت پچھتاوا ہوتا ہے کہ کاش! ہم پہلے اس بات کی تصدیق کرتے، پھر اس کے بعد کوئی قدم اُٹھاتے، لیکن تب وقت ہمارا ساتھ نہیں دیتا۔

جھوٹے شخص کی نشانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ مبارکہ ہے کہ:

''انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ جو بھی سنے، بغیر تحقیق کے آگے بیان کر دے۔'' (صحیح مسلم)

یعنی ایسا شخص جس کی عادت ہے کہ سنتے ہی اُگل دیتا ہے، سنتے ہی سب کو سنا دینا، یہ عادت ہی اس کے جھوٹا ہونے کی نشانی ہے۔

سوشل میڈیا اور سنی سنائی کی بھرمار

آج کل سوشل میڈیا اور ٹیکنالوجی کا دور ہے، ایک ہاتھ میں پوری دنیا کی خبریں آجاتی ہیں، لیکن اس بات کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ خبریں کہاں سے آرہی ہیں؟ ان کا ذریعہ کیا ہے؟ عام طور پر یوں ہوتا ہے کہ کوئی کسی کے پاس کوئی حدیث بھیجتا ہے تو وہ فوراً سے یقین کر لیتا ہے اور دوسروں کو فارورڈ کر دیتا ہے، جبکہ پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ اس میں حوالہ بھی درج ہے یا نہیں! سند کے اعتبار سے یہ حدیث کس درجہ کی ہے!

ایسا نہ ہو کہ کسی بزرگ کا قول ہو اور اسے حدیث بنا دیا گیا ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایسے کئی اقوال سوشل میڈیا پر آتے رہتے ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح قرآن کی کسی

آیت کا ترجمہ ہو تو پہلے یہ تصدیق کرانی چاہیے کہ واقعی اس طرح کی کوئی آیت ہے بھی یا نہیں، ترجمہ درست ہے یا غلط! اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے کہ ہر بات کو اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر دینا، کسی صحابیؓ وغیرہ سے منسوب کر دینا، یہ رویہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

دینی باتوں کی نزاکت

آپ ﷺ کی واضح حدیث ہے کہ:

"کسی نے مجھ سے منسوب کر کے کوئی ایسی بات کہی (کہ آپ ﷺ ایسا فرماتے ہیں) اور میں نے ایسا نہ کہا ہو تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔" (صحیح مسلم)

ایک مرتبہ میرے اپنے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک ساتھی نے میسج بھیجا جس میں سورۂ ملک کا ترجمہ لکھا ہوا تھا، جو بالکل غلط تھا، یہاں تک کہ اس میں سورۂ ملک کی کسی ایک آیت کا بھی ترجمہ نہیں تھا، لیکن عنوان یہی لگایا ہوا تھا۔

ایک صاحب نے واقعہ سنایا کہ: کچھ برس پہلے انہوں نے انٹرنیٹ پر بہت سی دینی کتابیں سرچ کرنا شروع کیں تو ایک ویب سائٹ جو کہ "الاسلام" کے نام سے بنی ہوئی تھی، انہیں لگا کہ اس میں بہت سی اچھی کتابیں ہیں اور وہ خوب مطالعہ کرنے لگے، مگر تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ وہ پوری ویب سائٹ ہی قادیانیوں کی ہے جو آج بھی موجود ہے، جسے اگر کوئی عام مسلمان بغیر تحقیق کے پڑھنا شروع کرے تو ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ لہٰذا ایسے معاملے میں علماء اور اہلِ علم سے تحقیق کرنی چاہیے کہ یہ صحیح بھی ہے یا نہیں، یہ جو مسئلہ سننے کو ملا ہے یہ واقعی دین کا مسئلہ ہے یا نہیں؟!

اے آئی (مصنوعی ذہانت) کی معلومات کی حقیقت، طریقہ کار اور نقصان

اے آئی کے ذریعے معلومات کے حاصل کرنے کا جو ذریعہ آج کل مروج ہو چکا ہے، اس کی معلومات درحقیقت ادھوری ہیں، ان پر فوری یقین نہیں کیا جا سکتا۔ اے آئی عقیدہ، عمل، فنِ تحقیق اور سند و استناد سے ماورا ہو کر رطب و یابس سے مستفاد صرف مواد پیش کرتا ہے، لہٰذا اگر مواد کوئی بہت بڑا جھوٹا اور من گھڑت شخص پیش کر رہا ہے، تب بھی یہ اس مواد کو فقط مواد کی نظر سے دیکھے گا اور اگر وہ مواد کسی بہت بڑے سچے اور اعلیٰ پائے کے محقق کا ہو، لیکن بدقسمتی سے وہ انٹرنیٹ کی دنیا میں دستیاب نہ ہو تو اے آئی اس مواد کو نظر انداز کر دے گا۔ مواد کی بے ہنگم بھرمار بالکل بھی سودمند نہیں، اگر اس کی سند اور سچائی مشکوک ہو جائے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اے آئی کی فراہم کردہ تفصیلات کس قدر غلط مواد کی طرف رہنمائی کر سکتی ہیں اور اضافہ یہ کہ وہ کسی

قادیانی کے پیش کردہ مواد کو بھی اسلامی مواد کا عنوان دے سکتا ہے، کسی گمراہ شخص کی رائے کو بھی تفسیر، حدیث، فقہ جیسے اعلیٰ مضامین کی تفہیم کے لیے پیش کرسکتا ہے۔

اے آئی ویڈیوز

جہاں تک اے آئی ویڈیوز کا تعلق ہے، وہ بہت سے لوگوں کے لیے جھانسے میں آنے کا ایک عام ذریعہ بن چکا ہے، ہمارے ہاں عام طور پر کوئی چیز اگر ویڈیو کی شکل میں پیش کی جاتی ہے تو اسے مشاہدے کی قوت کی وجہ سے بڑی دلیل مانا جاتا ہے اور اسے آنکھوں دیکھا حال قرار دے کر سندِ قبول دے دی جاتی ہے، لیکن اے آئی نے اس غلط فہمی سے نکلنے کے بہت سارے اسباب جمع کردیے ہیں، لہٰذا ایسی ویڈیوز اب کافی تعداد میں موجود ہیں جن کو شروع میں حقیقت سمجھا جارہا تھا، لیکن کچھ عرصہ بعد پتہ چلا کہ سب مصنوعی ہیں۔ آواز بدلنا، کردار بدلنا، گردوپیش کے ماحول کو بدلنا اور یہ سب انٹرٹینمنٹ کی حد تک تھا، لیکن اب یہ لوگوں کی ذاتیات تک کو موضوع بنانے لگا ہے، اور یہ سب کا سب بڑھتا ہی جارہا ہے، جس سے کوئی شخص یا عقائد ونظریات، اخلاق واَقدار، ثقافت وتہذیب کچھ بھی محفوظ نہیں، کچھ بھی بنا کر پیش کیا جاسکتا ہے اور کسی پر کچھ بھی تھوپا جاسکتا ہے، لہٰذا خلاصہ یہ ہے کہ اب ویڈیو سے بھی کسی بات کی سچائی اور واقعیت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اے آئی کے ذریعہ بنائی گئی ہو۔

ایسے حالات میں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اے آئی کا اندھا مقلد بن جانا اور وہ جیسی تیسی معلومات فراہم کرے اُسے فوراً حرفِ آخر سمجھنا، یہ بڑی نادانی کا عمل ہے، لہٰذا خبر کی تحقیق یہاں بھی اسی درجے میں لازم ہے جہاں دوسرے اُمور میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

خلاصہ

کوئی بھی بات چاہے دین کے حوالے سے ہو یا گھریلو حوالے سے، آپس کے تعلقات ہوں یا معاشرے کے اُتار چڑھاؤ، پہلے تحقیق کرنا ہم پر لازم ہے۔

خاص طور پر جب بات دین کے حوالے سے ہے تو یہ تحقیق کرنا لازمی ہے کہ جو بات کو بیان کرنے والا ہے وہ کوئی مستند عالم بھی ہے؟ اس نے جہاں سے تعلیم حاصل کی ہے وہ مستند ادارہ ہے؟ دین اتنا سستا نہیں کہ کوئی بھی کیمرے کے سامنے بیٹھ کر فتوے دینے لگے، کچھ ویڈیوز دیکھ کر عقیدہ نہیں سمجھا جاسکتا، ہزاروں علماء سے بدظن ہوکر ہم سوشل میڈیا کے قریب ہوسکتے ہیں، لیکن دین کے نہیں۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

حصولِ علم کا شوق اور ہمارے اکابرین!

مولانا عصمت اللہ نظامانی
متخصص جامعہ

علم ایک ایسی دولت ہے جس کے سامنے دنیا کی تمام دولت ہیچ ہے۔ علم سراسر خیر اور بھلائی اور سراپا نیکی ہے۔ علم عزت وعظمت کا استعارہ ہے، جہالت کی تاریکی سے نجات دینے والا، گمراہی کے گڑھے سے نکالنے والا، کامیابی وکامرانی کی کنجی، کھرے اور کھوٹے کی پہچان کے لیے کسوٹی ہے، اور ایسا پُرلطف و پُرکیف امر ہے جو اپنے طالب کو دنیا کی رنگینیوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ قلبی راحت واطمینان اور روح کے سکون وسرور کا باعث ہے۔ علم خود نور ہے اور اپنے حامل کی زندگی کو بھی روشنی سے بھر دیتا ہے۔ علم ایک لازوال نعمت ہے، اور اپنی طلب کرنے والے کو حیاتِ جاودانی بخشتا ہے، اس کو فنا ہونے سے بچاتا ہے۔ علم پارس ہے جس کو مل جائے، اس کو سونے کی طرح قیمتی بنا دیتا ہے، کنکر جیسے بے نور شخص کو ہیرے کی طرح چمکا دیتا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ علم بہت غیور، خودی اور عزتِ نفس والا ہے، اپنی ناقدری برداشت نہیں کرتا، قدردان کو مایوس نہیں لوٹاتا، اور ناقدرشناس کو حاصل نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے ہمارے اکابرین اور اسلاف نے علم کے لیے اپنی زندگیاں وقف اور اپنی خواہشات قربان کر دیں۔ علم پانے کے لیے اپنی آپ کو وار دیا، اپنا آرام تج دیا، اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا، حصولِ علم کی خاطر شب بیداری اور رت جگے کو نیند اور راحت پر ترجیح دی، فاقہ کشی کو شکم سیری پر فوقیت دی، اور فنا فی العلم ہو کر دوام اور بقا حاصل کر لیا۔

ذیل میں اپنے اکابرین کے حصولِ علم کے شوق ورغبت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، تاکہ اُن کا مطالعہ کرنے سے ہم میں بھی طلبِ علم کا شوق پیدا ہو۔

علم کے لیے مشقت برداشت کرنا

اہلِ علم کے ہاں یہ ایک متفقہ حقیقت اور تقریباً متواترات ہے کہ علم حاصل کرنے کے لیے مشقت وتکلیف برداشت کرنا ازبس ضروری ہے، بلکہ راہِ علم کا ایک لازمی جزء ہے۔ تن آسانی اور راحت طلبی کے

ساتھ علم جیسی قیمتی اور بے مثال چیز حاصل ہونا مشکل ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں یحییٰ بن ابی کثیر کا قول مذکور ہے:

’’لا یُستطاع العلمُ براحة الجسم.‘‘(۱)

ترجمہ: ’’علم کو جسمانی راحت کے ساتھ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔‘‘

علم کے لیے شب بیداری

حصولِ علم ایک عظیم عبادت اور کارِ ثواب ہے، حتیٰ کہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک علم سیکھنے اور علمی باتوں کے مطالعہ ومراجعہ کے سلسلے میں رات کو تھوڑی دیر جاگنا نفلی عبادت کے لیے پوری رات جاگنے اور شب بیداری سے افضل ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

’’تدارس العلم ساعة من الليل خيرٌ من إحيائها.‘‘(۲)

ترجمہ: ’’رات کو ایک گھڑی علم کا مذاکرہ کرنا پوری رات عبادت کے لیے جاگنے سے بہتر ہے۔‘‘

علم کی اتنی فضلیت کی ایک وجہ یہ ہے کہ علم کا نفع عام ہے، اور دوسروں کو بھی پہنچتا ہے، جبکہ نفلی عبادت کا ثواب اور فائدہ صرف عبادت گزار شخص کو ہوتا ہے، اس لیے طلبِ علم کا درجہ نفلی عبادت کے لیے شب بیداری سے افضل ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے اکابرین کی ایک بڑی تعداد ہمہ وقت علمی مشغلہ میں منہمک رہتی تھی، چنانچہ مشہور فلسفی علامہ ابوعلی ابنِ سینا کے بارے میں سوانح نگار لکھتے ہیں:

’’وفي مدة اشتغاله لم ينم ليلة واحدة بكمالها ولا اشتغل في النهار بسوى المطالعة.‘‘(۳)

ترجمہ: ’’تحصیلِ علم کی مدت میں ایک رات بھی مکمل نہیں سوئے، اور دن میں بھی مطالعہ کے علاوہ کسی دوسری چیز میں مشغول نہیں ہوئے۔‘‘

علم کے لیے لاکھوں خرچ کرنا

طلبِ علم کی لذت بھی عجیب ہے، جس شخص کو اس کا چسکا لگ جائے، اس کے لیے علم کے سامنے کوئی چیز وقعت نہیں رکھتی، مال وزر پرِکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ اس کی ایک مثال جرح وتعدیل کے امام یحییٰ بن معینؒ کی ہستی ہے، علم کی راہ اور طلبِ حدیث کی خاطر لاکھوں دراہم خرچ کیے، چنانچہ ان کے چچازاد بھائی کہتے ہیں:

’’كان معين على خراج الري، فمات، فخلف لابنه يحيى ألف ألف درهم وخمسين ألف درهم، فأنفقهُ كلهُ على الحديث، حتى لم يبق لهُ نعل يلبسهُ‘‘(۴)

یعنی ’’امام یحییٰؒ کے والد معینؒ ’’رای‘‘ شہر کا خراج وصول کرنے پر مقرر تھے، ان کا انتقال ہوا

تو انہوں نے اپنے فرزند امام یحییٰ ؒ کے لیے دس لاکھ پچاس ہزار درا ہم ترکہ میں چھوڑے۔ امام یحییٰ بن معینؒ نے وہ تمام دراہم طلبِ حدیث پر خرچ کردیے، یہاں تک کہ ان کے پاس ایک چپل بھی باقی نہ رہی جسے وہ پہنتے۔''

پوری رات مجلسِ درس میں گزارنا

دنیا کی مجازی محبت کے بارے میں قصے سنے ہوں گے، لیکن علم کے عاشقین کی شان ہی نرالی ہے، علم سے محبت کی ایسی مثالیں رقم کی ہیں کہ مجازی محبت کے دعویداران کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے، چنانچہ عاشقینِ علم کی ایک جماعت ایسی بھی گزری ہے جو درس میں شریک ہونے اور علمی مجلس میں جگہ پانے کی غرض سے پوری رات درس گاہ میں بیٹھے رہتے، چنانچہ جعفر بن درستویہؒ اپنا قصہ بیان فرماتے ہیں:

''كنا نأخذ المجلس في مجلس علي بن المديني وقت العصر اليوم لمجلس غد، فنقعد طول الليل مخافة أن لا نلحق من الغد موضعا نسمع فيه.''(۵)

ترجمہ: ''ہم امام علی بن مدینیؒ کی آنے والے دن کی مجلس میں شریک ہونے کے لیے ایک دن قبل بوقتِ عصر ہی بیٹھ جاتے تھے، پھر پوری رات بیٹھے رہتے، اس اندیشہ سے کہ کہیں درس سننے کے لیے کل مجلس میں جگہ نہ مل سکے۔''

سبحان اللہ! صدآفرین ہو اُن نفوسِ مقدسہ اور بابرکت ہستیوں پر، درس سننے کی خاطر اتنی تکالیف برداشت کرتے اور آنکھوں میں بیداری کا سرمہ لگا کر درسگاہ میں شوق ورغبت سے بیٹھے رہتے، نہ اپنے کھانے پینے کی فکر، اور نہ راحت وآرام کا خیال۔

دوسری طرف آج کل کے طلباءِ کرام اور طلبِ علم کے نام لیوا حضرات بھی اپنے گریبان میں ذرا جھانک کر دیکھیں، اور اپنا محاسبہ کریں، کیا ہم بھی اس قدر ذوق وشوق سے اسباق میں شریک ہوتے ہیں، اور اتنی پابندی سے درسگاہ میں حاضر ہوتے ہیں؟

علم کے لیے گھر کے شہتیر فروخت کرنا

علم حاصل کرنے والے اور حقیقی طالب علم اپنی جسمانی آسائش کی طرف التفات نہیں کرتے، بلکہ ہمہ وقت حصولِ علم میں لگے رہتے ہیں، اور علم میں آگے بڑھنے کی کوشش وجستجو کرتے رہتے ہیں، اور رسمی طالبِ علمی کے زمانے میں اپنے آپ کو یکسو رکھتے ہیں، کسبِ معاش اور دنیا طلبی میں اپنا وقت صرف نہیں کرتے، اس کی ایک مثال مشہور محدث امام شعبہؒ ہیں، طالب علمی میں ضروریاتِ زندگی کی خاطر اپنی ذاتی اشیاء فروخت کردیں، کمرے کی چھت اُکھاڑ کر شہتیر بیچ کر گزربسر کیا، لیکن دولت کمانے کی طرف متوجہ نہیں

ہوئے؛ تاکہ جمعیتِ خاطر کے ساتھ تحصیلِ علم میں مشغول رہ سکیں، جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ امام شعبہؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

’’أقام شعبة علی عتيبة ثمانية عشر شهراً حتی باع جذوع بيته.‘‘(۶)

ترجمہ: ’’امام شعبہؒ (حصولِ علم کی خاطر) اٹھارہ مہینے حکم بن عتیبہ کے پاس ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ اپنے گھر کے شہتیر فروخت کیے۔‘‘

لوگ اپنی دنیا سنوارنے، فانی زندگی کے عارضی گھر بنانے اور انہیں مختلف طریقوں سے سجانے کی فکر میں رہتے ہیں، لیکن حقیقی اہلِ علم اپنی علمی پیاس بجھانے، اور زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں، پھر چاہے اس کے لیے اُنہیں اپنا گھر توڑ کر اس کے اثاثہ جات فروخت کرنے پڑیں، ہمارے سامنے ایک دوسری مثال امام مالکؒ جیسی جلیل القدر ہستی کی ہے، جنہوں نے اپنے گھر کے چھت اُکھیڑ کر اس سے شہتیر وغیرہ نکال کر بیچے، چنانچہ امام مالکؒ کے بارے میں ابن قاسمؒ کہتے ہیں:

’’أفضی بمالك طلب العلم إلی أن نقض سقف بيته فباع خشبهٗ.‘‘(۷)

ترجمہ: ’’امام مالکؒ کو طلبِ علم نے اس حال تک پہنچایا کہ انہوں نے اپنے گھر کی چھت توڑ کر اس کی لکڑی کو فروخت کیا۔‘‘

علم کے لیے مسلسل دو دن بھوکا رہنا

بھوک کی اذیت اور فاقہ کشی کی تکلیف کیا ہوتی ہے؟ شکم سیر حضرات کے لیے اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بھوک کی چبھن اور درد کا بیان الفاظ سے ادا نہیں ہوسکتا، مگر داد دیجئے عاشقانِ علم کو کہ علم کی خاطر وہ بھوک کی کڑواہٹ کو بھی قند کی طرح پُرلذت سمجھتے ہیں، اور اپنے پیٹ کو اشیائے خورد ونوش سے بھرنے کے بجائے اپنے دل ودماغ کو علم سے پُر کرتے ہیں، اس کی ایک مثال جرح وتعدیل کے امام ابوحاتم رازیؒ ہیں، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ وہ طلبِ علم کی خاطر بصرہ گئے، جب نفقہ ختم ہوگیا تو اپنے کپڑے فروخت کرنے لگے، یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ ان کے پاس کچھ بھی باقی نہیں بچا تھا:

’’ومضيت أطوف مع صديق لي إلی المشيخة وأسمع منهم إلی المساء، فانصرف رفيقي ورجعت إلی بيت خال، فجعلت أشرب الماء من الجوع، ثم أصبحت من الغد وغداً علي رفيقي، فجعلت أطوف معهٗ في سماع الحديث علی جوع شديد، فانصرف عني وانصرفت جائعاً، فلما كان الغد غدا عليّ، فقال: مر بنا علی المشايخ. فقلت: أنا ضعيف لا يمكنني. قال: ما ضعفك؟

قلت: لا أكتمك أمري، قد مضى يومان ما طعمت فيهما، فقال لي رفيقي: معي دينار فأنا أواسيك بنصفه، ونجعل النصف الآخر في الكراء، فخرجنا من البصرة وقبضت منه نصف دينار.‘‘(۸)

ترجمہ: ’’میں نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ مشائخ کے پاس چکر لگائے، اور شام تک ان سے احادیث سنتا رہا، پھر میرا ساتھی لوٹ گیا اور میں خالی گھر کی طرف واپس آیا، بھوک کی وجہ سے پانی پینے لگا، پھر دوسرے دن صبح کو میرے پاس آیا، اور میں نے سخت بھوک کے باوجود اس کے ساتھ احادیث سننے کے لیے چکر لگائے، بعدازاں وہ لوٹ گیا اور میں بھی بھوکا لوٹا۔ جب اگلے دن وہ میرے پاس آکر کہنے لگا کہ چلو، مشائخ کے پاس جائیں، تو میں نے جواب دیا کہ میں کمزور ہوں، میرا جانا ممکن نہیں، تو اس نے پوچھا: کمزوری کا کیا سبب ہے؟ میں نے کہا: میں اپنا معاملہ تم سے نہیں چھپاؤں گا، دو دن گزر گئے ہیں اور میں نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ یہ سن کر میرے ساتھی نے کہا: میرے پاس ایک دینار ہے، آدھا درہم میں تم کو دوں گا، اور باقی آدھا ہم کرایہ میں دیں گے، تو ہم بصرہ سے نکلے، اور میں نے آدھا درہم اس سے لیا۔‘‘

علم کی خاطر روٹی کھانا ترک کردینا

عام طور پر انسان کی یہ چاہت ہوتی ہے کہ وہ کھانا سکون سے کھائے، اور روٹی وغیرہ لطف اندوز ہوکر تناول کرے، لیکن ہمارے اسلاف واکابر میں بعض ایسے علم دوست بھی گزرے ہیں جنہوں نے علمی مشغولیت کی وجہ سے باقاعدہ اہتمام کرکے کھانا کھانا چھوڑ دیا، بلکہ حسبِ موقع جو بھی کھانے کی چیز میسر ہوئی، وہ تناول کرلی، چاہے اُسے پکایا گیا ہو، یا نہ ہو۔ اس سلسلے میں علامہ ابوالوفاء علی بن عقیلؒ کی حالت انہی کی زبانی ملاحظہ ہو:

’’أنا أقصرُ بغاية جهدي أوقات أكلي، حتى أختار سف الكعك وتحسيه بالماء على الخبزة لأجل ما بينهما من تفاوت المضغ، توفّراً على مطالعة، أو تسطير فائدة.‘‘(۹)

ترجمہ: ’’میں انتہائی کوشش کرکے اپنے کھانے کے اوقات کم کرتا ہوں، حتیٰ کہ میں نے روٹی کھانا چھوڑ کر خشک روٹی پھانکنے اور پانی سے نگلنے کو اختیار کیا ہے، ان دونوں کے درمیان چبانے کے فرق کی وجہ سے، زیادہ مطالعہ کرنے یا کوئی مفید بات حاصل کرنے کی خاطر۔‘‘

ایک دوسرے عاشقِ علم مشہور محدث امام ابن ابی حاتمؒ کی حالت یہ تھی کہ طلبِ علم میں انہماک کی بنا پر اتنی فرصت بھی نہیں ملی کہ خریدی ہوئی مچھلی کو پکا کر تناول کرتے، یہاں تک کہ تین دن گزرنے کے بعد

اسی مچھلی کو کچا ہی تناول کرلیا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

’’كنا بمصر سبعة أشهر لم نأكل فيها مرقة، نهارنا ندور على الشيوخ، و بالليل ننسخ ونقابل: فأتينا يوماً أنا ورفيق لي شيخاً، فقالوا: هو عليل، فرأيت سمكة أعجبتنا فاشتريناها، فلما صرنا إلى البيت حضر وقت مجلس بعض الشيوخ فمضينا، فلم تزل السمكة ثلاثة أيام وكاد أن ينضى، فأكلناه نيئًا لم نتفرغ نشو يه.‘‘(١٠)

ترجمہ: ’’ہم سات ماہ مصر میں رہے، لیکن اس عرصہ میں شوربہ تناول نہیں کیا، دن کو ہم مشائخ کے پاس پڑھنے جاتے، اور رات کے وقت لکھتے اور (لکھے ہوئے کا) تقابل کرکے دیکھتے، ایک دن میں اور میرا ساتھی ایک شیخ کے پاس آئے تو لوگوں نے کہا کہ: وہ علیل ہیں، (واپسی آتے ہوئے) میں نے ایک مچھلی دیکھی جو ہمیں اچھی لگی تو وہ خرید لی، جب ہم گھر پہنچے تو دوسرے شیخ کی مجلس کا وقت ہوگیا تھا، تو ہم وہاں چلے گئے، پس مچھلی تین دنوں تک اسی طرح رہی، اور قریب تھا کہ خشک ہوکر اس کا گوشت ختم ہوجاتا، پس ہم نے اسے کچا ہی کھالیا، اسے پکانے کی فرصت نہیں ملی۔‘‘

یا اللہ! یہ کیسی ہستیاں تھیں جنہوں نے علم کو ہی اوڑھنا بچھونا بنایا، اور تحصیلِ علم کے لیے اتنی بڑی قربانیاں دیں جنہیں پڑھ کر ہم جیسے طالبِ علم ہونے کے دعویدار شرم سے پانی پانی ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی خاص رحمت نازل فرمائے اور ان کی قبریں نور سے بھر دے۔

مطالعہ کے ذریعہ نیند بھگانا

دورِ حاضر میں بہت سے حضرات سے یہ سنا ہے کہ جب بھی مطالعہ کے لیے کتاب کھول کر بیٹھتے ہیں تو نیند بھی پنجے جھاڑ کر ان کے پیچھے پڑ جاتی ہے، چاہے مطالعہ شروع کرنے سے پہلے کتنے ہی چست اور چاق وچوبند ہوں، لیکن جیسے ہی کتاب ہاتھ میں اُٹھائی، اونگھ آنا شروع ہوگئی، لیکن ہمارے اکابر کا معاملہ اس کے برعکس تھا، جب اُنہیں نیند بھگانی ہوتی اور نشاط حاصل کرنے کا ارادہ ہوتا تو کتاب کا مطالعہ شروع کردیتے، تو نئی علمی باتوں کے اِدراک اور حصولِ علم کی خوشی سے نیند اُڑن چھو ہوجاتی اور تازہ دم ہوجاتے، چنانچہ محمد بن جہمؒ فرماتے ہیں:

’’إذا غشيني النعاس في غير وقت النوم تناولت كتاباً فأجد اهتزازي للفوائد الأريحية التي تعتريني من سرور الإستنباه وعز التبين، أشد إيقاظاً من نهيق الحمار، وهدة الهدم، فإني إذا استحسنت كتاباً واستجدتهٗ ورجوت فائدتهٗ، لم

أوثر عليه عوضاً، ولم أبغ به بدلاً، فلا أزال أنظر فيه ساعة بعد ساعة، كم بقي من ورقة مخافة استنفاده.''(۱۱)

ترجمہ: ''جب مجھے بے وقت اُونگھ آتی تو میں کتاب اُٹھاتا ہوں تو میں ان راحت والے فوائد کی وجہ سے ہلچل محسوس کرتا ہوں جو اِدراک کی خوشی کی بنا پر حاصل ہوتے ہیں، اور یہ گدھے کے ہینگنے اور عمارت گرنے کی آواز سے بھی زیادہ بیداری کا باعث ہوتے ہیں۔ اور جب میں کسی کتاب کو اچھا محسوس کرتا ہوں اور اس کے فائدہ کی اُمید ہوتی ہے تو میں اس کے مقابلے میں کسی عوض کو ترجیح نہیں دیتا، اور نہ اس کے ذریعے کوئی عوض و قیمت لیتا ہوں، پھر وقتاً فوقتاً اس میں دیکھتا رہتا ہوں کہ کتنے صفحات باقی بچے ہیں؟ اس ڈر سے کہ کہیں ختم نہ ہوجائے۔''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ علم جیسی قیمتی اور بے مثال نعمت کے حصول کے لیے شوق، محنت اور قربانی کا ہونا ضروری ہے، ہمارے اکابرین نے اپنے طرزِ عمل اور اقوال وارشادات کے ذریعے یہ بات واضح کردی ہے کہ طلبِ علم کے لیے یکسو ہوکر پوری دلجمعی اور علم کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہونے سے ہی علم کا حصول اور اس میں رُسوخ پیدا ہوگا۔

حواشی وحوالہ جات

۱- صحيح مسلم، (۱/ ٤٢٨)، كتاب المساجد، باب أوقات الصلاة، رقم الحديث: ٦١٢، الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت

٢- سنن الدارمي، (٤٨٤/ ١)، باب مذاكرة العلم، رقم: ٦٣٨، الناشر: دار المغني للنشر- المملكة السعودية، ط: ١٤١٢هـ- ٢٠٠٠م

٣- وفيات الأعيان لابن خلكان، (١٥٨/ ٢)، ترجمة: ابن سينا، رقم الترجمة: ١٩٠، الناشر: دار صادر، بيروت

٤- الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي، (٣٠٩/ ١)، ترجمة يحيى بن معين، رقم: ٧٤٩، الناشر: مكتبة الرشد- الرياض، ط: ١٤٣٤هـ- ٢٠١٣م

٥- أدب الإملاء والاستملاء للسمعاني، (ص: ١١٢)، فصل في آداب الكاتب، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت

٦- العلل ومعرفة الرجال للإمام أحمد، (٣٤٢/ ٢)، رقم: ٢٥١٥، الناشر: دار الخاني- الرياض، ط: ١٤٢٢هـ

٧- الديباج المذهب في معرفة أعيان علماء المذهب لليعمري، (٩٨/ ١)، ترجمة الإمام مالك، الناشر: دار التراث للطبع، القاهرة

٨- تاريخ بغداد للخطيب البغدادي، (٧٢/ ٢)، ترجمة: محمد بن إدريس الرازي، رقم: ٤٥٥، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، ط: ١٤٢٥هـ- ٢٠٠٤م

٩- ذيل طبقات الحنابلة لابن رجب الحنبلي، (٣٢٥/ ١)، وفيات المائة السادسة. الناشر: مكتبة العبيكان- الرياض، ط: ١٤٢٥هـ- ٢٠٠٥م

١٠- مقدمة الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، (٥/ ١)، الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت

١١- محاسن الكتابة والكتب للجاحظ، (ص: ٢٠)، مكتبة الهلال- بيروت، ط: ١٤٢٣هـ

خطبہ، تقریر اور نمازِ جمعہ میں لاؤڈ اسپیکر کا غلط استعمال

مفتی انور شاہ
استاذ جامعہ بیت السلام، کراچی

بعض خطیب حضرات جمعہ کے دن تقریر، خطبہ اور نماز کے دوران مسجد کا بیرونی لاؤڈ اسپیکر استعمال کرتے ہیں، جس کی آواز دور دراز تک پہنچتی ہے، جس کی وجہ سے جہاں ایک طرف نماز و خطبہ کی بے احترامی لازم آتی ہے، وہاں دوسری طرف معذور، مریضوں اور ہمارے بوڑھے حضرات کو بھی اذیت پہنچتی ہے، یہی صورتِ حال سیاسی اور مذہبی جلسوں میں بھی عام طور پر نظر آتی ہے، اس کی وجہ سے کوئی شخص اپنے گھر میں آرام سے نہ سو سکتا ہے، نہ یکسوئی کے ساتھ اپنا کوئی اور کام کر سکتا ہے۔ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اذان کی آواز دور تک پہنچانا برحق ہے، لیکن مسجدوں میں جو وعظ و نصیحت، تقریر و بیان یا خطبہ اور ذکر و تلاوت لاؤڈ اسپیکر پر ہوتی ہے، ان کی آواز دور دور تک اور گھر گھر تک پہنچانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ مسجد میں بہت تھوڑے لوگ تقریر و بیان سننے کے لیے بیٹھے ہیں، جن کو آواز پہنچانے کے لیے لاؤڈ اسپیکر کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے یا صرف اندرونی مائیک سے بآسانی کام چل سکتا ہے، لیکن بیرونی لاؤڈ اسپیکر پوری قوت سے کھلا ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں یہ آواز محلے کے گھر گھر میں اس طرح پہنچتی ہے کہ کوئی شخص اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خاص کر جب ایک ہی وقت میں مختلف مسجدوں کے بیرونی لاؤڈ اسپیکر استعمال ہوتے ہیں تو ایک کی آواز دوسرے کی آواز سے ٹکرانے کی وجہ سے جو شور و شغب پیدا ہوتا ہے، آس پاس رہنے والے لوگ اذیت اور بے چینی کے عالم میں رہتے ہیں۔ کسی کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس کی آواز کو صرف ضرورت کی حد تک محدود رکھا جائے اور آس پاس کے ان ضعیفوں اور بیماروں پر رحم کیا جائے جو یہ آواز سننا نہیں چاہتے۔

پھر خطبہ و نماز کے دوران اسپیکر استعمال کرنے کا شریعت نے کوئی حکم بھی نہیں دیا ہے۔ زیادہ سے

زیادہ یہ ایک سہولت اور انتظامی ضرورت کی چیز ہے، لہٰذا اس کا استعمال صرف بوقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت کیا جائے، اس سے آگے نہیں۔

جن حضرات کو اس سلسلے میں کوئی غلط فہمی ہو، ان کی خدمت میں کچھ اہم نکات عرض کیے دیتا ہوں:

۱-مشہور محدث حضرت عمر بن شیبہؒ نے مدینہ منورہ کی تاریخ پر چار جلدوں میں بڑی مفصل اور محقق کتاب لکھی ہے، جس کا حوالہ بڑے بڑے علماء و محدثین ہمیشہ دیتے رہتے ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے ایک واقعہ اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک واعظ صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے بالکل سامنے بہت بلند آواز سے وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ وہ زمانہ لاؤڈ اسپیکر کا نہیں تھا، لیکن ان کی آواز بہت بلند تھی اور اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یکسوئی میں فرق آتا تھا۔ یہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا، اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ ایک صاحب بلند آواز سے میرے گھر کے سامنے وعظ و نصیحت کرتے رہتے ہیں، جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے، کسی اور کی آواز مجھے سنائی نہیں دیتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان صاحب کو پیغام دے کر انہیں وہاں وعظ و نصیحت کرنے سے منع کر دیا، لیکن کچھ عرصے کے بعد اس نے دوبارہ وعظ کا وہی سلسلہ شروع کیا، حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے خود جا کر ان صاحب کو پکڑا اور ان پر تعزیری سزا جاری کی۔ (أخبار المدينة لعمر بن شيبة: ١ / ١٥)

بات صرف اتنی نہیں تھی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی تکلیف کا ازالہ کرنا چاہتی تھیں، بلکہ دراصل وہ اسلامی معاشرت کے اصول کو واضح اور نافذ کرنا چاہتی تھیں کہ کسی کو کسی سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ نیز یہ بتانا چاہتی تھیں کہ وعظ و نصیحت، بیان و تقریر اور دین کی دعوت و تبلیغ کا پُروقار طریقہ کیا ہے؟

۲-حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ بڑے اونچے درجے کے تابعین میں سے ہیں۔ علمِ تفسیر و حدیث میں ان کا مقام مسلّم ہے۔ ان کا مقولہ ہے کہ: عالم کو چاہیے کہ اس کی آواز اس کی اپنی مجلس سے آگے نہ بڑھے۔ (أدب الإملاء والاستملاء للسمعاني: ٥)

۳-فقہائے کرامؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر کی چھت پر بلند آواز سے تلاوت کرے، جبکہ لوگ سو رہے ہوں تو تلاوت کرنے والا گناہ گار ہوگا۔

''وعلى هٰذا لو قرأ على السطح والناس نيام يأثم .''

(رد المحتار، كتاب الصلاة: ٢ / ٣٢٩، ط: رشيدية)

اس کے علاوہ فقہائے کرامؒ نے بغیر لاؤڈ اسپیکر کے بھی امام کو اپنی آواز میں اعتدال رکھنے کا حکم دیا ہے۔

’’الإمام إذا جهر فوق حاجة الناس فقد أساء.‘‘

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، آداب الصلاة: ٦٣٧/ ١، ط: دار إحياء التراث العربي)

بیرونی بڑے اسپیکر کی آواز سے قریب کے آس پاس بسنے والے حضرات میں سے خاص کر خواتین، بوڑھوں، مریض اور معذوروں کو نماز پڑھنا، ذکر وتلاوت اور دیگر عبادات ادا کرنا مشکل ہوجاتا ہے، جس کا مشاہدہ ہم کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح کے اکثر وبیشتر مقامات پر آس پاس رہنے والے لوگوں کو یہ شکایت رہتی ہے، مگر وہ بیچارے شرماشرمی میں زبان سے مسجد کے متعلقہ افراد سے اظہار نہیں کرسکتے۔

ظاہر ہے کسی نماز یا دیگر عبادات میں خلل ڈالنا گناہ ہے، جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ یہ اور اس جیسی دیگر خرابیوں اور فسادات کی وجہ سے نماز اور خطبہ کے دوران بیرونی لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔ وعظ ونصیحت اور خطبہ ونماز وغیرہ کی آواز کو ضرورت کی حد تک محدود رکھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

تعلیمی نظام میں معروضی امتحانات کی اہمیت

مولانا آصف ملک
فاضلِ جامعہ

فوائداور گزارشات

امتحانات تعلیمی نظام میں بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ طلباء کی معلومات، طلباء کی مختلف صلاحیتوں کی پہچان، تعلیمی اداروں کے تعلیمی معیار کو جانچنے کا مؤثر ذریعہ ہیں، لہٰذا عموماً جن اداروں کا امتحانی نظام معیاری اور مضبوط ہوتا ہے تو وہاں کا تعلیمی نظام بھی مضبوط ہوجاتا ہے۔ مدارس میں امتحان کے مختلف طریقے رائج ہیں، زیادہ تر مدارس میں تحریری امتحان کا طریقہ رائج ہے، جس میں طلبہ کو سوالوں کے جوابات لکھ کر دینے ہوتے ہیں۔ بعض مدارس میں صرف تقریری امتحان کا نظم ہوتا ہے، جہاں تحریری امتحان کی بجائے صرف زبانی امتحان کے ذریعے طلبہ کی علمی صلاحیتوں کو جانچا جاتا ہے، جس میں طالب علم کو مطلوبہ عبارت پڑھ کر، یا زبانی سوالات کے جوابات دے کر تقریر کے ذریعے اپنی علمی صلاحیت اور قابلیت کا اظہار کرنا ہوتا ہے، اس طریقۂ امتحان کے ذریعے طالب علم کی روانی کو جانچنا، اور فوری طور پر جواب دینے کی صلاحیت کو سامنے لانا ہوتا ہے۔ کچھ مدارس میں تحریری امتحان کے ساتھ تقریری امتحان کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے، تاکہ دونوں طریقوں کے فوائد حاصل کیے جاسکیں۔

پھر تحریری امتحان لینے کی بھی دو صورتیں ہیں:

تفصیلی امتحان جسے انشائی، موضوعی اور (Subjective) امتحان بھی کہا جاتا ہے۔

معروضی امتحان جسے (Objective Exam) بھی کہا جاتا ہے۔

تفصیلی امتحان

تفصیلی امتحان یا تفصیلی سوالات وہ سوالات ہیں جن میں طلبہ کرام سے عموماً کسی عبارت کا ترجمہ، تشریح، اختلافی مسائل، الفاظ کی صرفی، لغوی تحقیق یا کسی خاص موضوع پر مقالہ لکھنے کو کہا جاتا ہے، اور تفصیل

کے ساتھ جواب مطلوب ہوتا ہے۔

تفصیلی امتحانات کا طریقہ مدارس میں کئی دہائیوں سے جاری ہے، اور تعلیمی نظام کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہ امتحانات طالب علم کی تحریری صلاحیتوں کو نکھارنے، کسی بھی موضوع پر عمق سے مطالعہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے، مگر چونکہ تفصیلی سوالات کے جوابات دینے میں وقت زیادہ لگتا ہے، بسا اوقات طلبہ کو وقت کی کمی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس کی وجہ سے طلبہ تمام سوالات کے جوابات حل نہیں کر پاتے، جس کی وجہ سے یہ طریقہ ذہین اور قابل طلبہ پر کافی ذہنی دباؤ کا باعث بھی بنتا ہے۔ تفصیلی امتحانات کے جوابات کی جانچ کرنا اساتذہ کرام کے لیے بھی بہت زیادہ محنت طلب کام ہوتا ہے، چونکہ ہر طالب علم کے لکھنے کا انداز اور جواب لکھنے کا طریقہ کار مختلف ہوتا ہے، اور اگر طلبہ کی تعداد زیادہ ہو، اور پڑتال کنندگان ایک سے زائد ہوں تو طلبہ کے لیے ہر ممتحن کے مزاج و مذاق کے اعتبار سے معیارات الگ بھی ہو سکتے ہیں، جس کا لازمی اثر یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات نمبرات کی درست تقسیم میں خیانت کا خطرہ رہتا ہے۔ چونکہ مدارس کے روایتی امتحانی نظم میں تفصیلی طرز کے طویل سوالات کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، اور تفصیلی امتحان ایک قدیم عرصے سے مدارس کے تعلیمی نظام کا حصہ ہے، جبکہ اس کی اہمیت وضرورت سے انکار بھی نہیں ہے، کیونکہ بعض مضامین، اور علمی موضوعات اسی تفصیلی امتحانات کے ہی متقاضی ہوتے ہیں۔ بہر حال زیرِ نظر مضمون میں تفصیلی امتحان سے بحث کرنا ہمارا موضوع نہیں ہے، تاہم موجودہ دور میں تعلیمی معیار کو بہتر کرنے کے لیے معروضی سوالات اور معروضی امتحان کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

معروضی امتحان

لفظ ''معروضی'' کا مطلب ہے کہ پیش کردہ سوالات کے جوابات درست یا غلط ہونے کے لحاظ سے واضح طور پر طے شدہ ہوں، ان میں ذاتی رائے اور تشریح کا عمل دخل نہ ہو۔ اسی وجہ سے اس کو معروضی امتحان کہا جاتا ہے، اور معروضی امتحان سے مراد ایسا امتحان ہے جس میں طلبہ سے ایسے سوالات پوچھے جاتے ہیں جن کے جوابات عام طور پر مختصر ہوتے ہیں۔ ان امتحانات میں صحیح یا غلط (True/False questions)، کثیر الانتخابی سوالات، (Multiple Choice Questions)، خالی جگہیں پر کرنا (Fill in the Blanks)، دو کالموں کا ملانا (combining two colummns) جیسے سوالات شامل ہوتے ہیں۔

دینی مدارس میں عمومی طور پر تفصیلی سوالات کے ذریعے امتحان کا رواج معروف ہے، جبکہ معروضی امتحان کے ذریعے امتحان لینے کا رواج نسبتاً کافی کم ہے، حالانکہ دورِ نبوی کے طریقۂ امتحان کا جائزہ لیا جائے

تو وہاں بھی معروضی امتحان کی جھلک نظر آتی ہے۔

دورِنبوی میں طریقۂ تعلیم اور معروضی امتحان

دورِنبوی میں رسمی تعلیمی ادارے یا امتحانات کا نظام اگرچہ موجود نہیں تھا، لیکن تعلیم وتربیت کا ایسا جامع نظام موجود تھا جو آج بھی اسلامی تعلیمی نظام کے لیے نمونہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم دیتے تھے، طریقۂ تعلیم وعظ ونصیحت کے علاوہ زبانی سوال و جواب کے ذریعے بھی ہوا کرتا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کے فہم کا امتحان لینے، یا کسی بات کو واضح کرنے یا تعلیم دینے کے مقصد سے مختلف مسائل سے زبانی سوالات کرتے تھے، عام طور پر ان سوالات کے جوابات مختصر ہوتے تھے، گویا نبوی دور میں ''معروضی سوالات'' کا تصور اگرچہ اس شکل میں نہیں تھا، جیسا کہ آج کے تعلیمی نظام میں پایا جاتا ہے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوالات کرنے کا انداز بہت حد تک معروضی طرز سے مشابہت رکھتا تھا، اس لیے اس طرح کے سوالات کو ایک حد تک معروضی سوال کہا جاسکتا ہے۔ ذیل میں دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

(الف) صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَخْبِرُوْنِيْ بِشَجَرَةٍ تُشْبِهُ اَوْ: كَالرَّجُلِ الْمُسْلِمِ لَا يَتَحَاتُّ وَرَقُهَا، وَلَا وَلَا وَلَا تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ'' مجھے بتلاؤ وہ کون سا درخت ہے جو مسلمان کے مشابہ ہے؟ جس کے پتے نہیں جھڑتے نہ جاڑوں میں نہ گرمیوں میں، جو اپنا پھل ہر موسم میں لاتا رہتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میرے دل میں آیا کہ میں کہہ دوں: وہ درخت کھجور کا ہے، لیکن میں نے دیکھا کہ مجلس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما موجود ہیں، اور وہ خاموش ہیں تو میں بھی خاموش رہا۔ جب کسی نے جواب نہیں دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ درخت کھجور کا ہے۔ جب یہاں سے اُٹھ کر چلے تو میں نے اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ذکر کیا، تو آپؓ نے فرمایا: ''پیارے بچے! اگر تم یہ جواب دے دیتے تو مجھے تو تمام چیزوں کے مل جانے سے بھی زیادہ محبوب تھا۔'' (صحيح البخاري، رقم الحديث:٤٦٩٨)

(ب) اسی طرح مسند احمد میں ایک اور حدیث ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی کون سی کڑی سب سے زیادہ مضبوط ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ: نماز۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھی بات ہے، لیکن وہ سب سے مضبوط کڑی نہیں ہے، پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: رمضان کے روزے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ بھی اچھی بات ہے، لیکن وہ سب سے مضبوط نہیں ہے۔ پھر صحابہؓ نے فرمایا کہ: جہاد۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی اچھی بات ہے، لیکن وہ سب سے مضبوط نہیں ہے۔ آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جواب دیا

کہ: ''إِنَّ أَوْثَقَ عُرَى الْإِيْمَانِ أَنْ تُحِبَّ فِي اللهِ، وَتُبْغِضَ فِي اللهِ'' اسلام کی سب سے مضبوط کڑی یہ ہے کہ تم اللہ کے لیے محبت کرو اور اللہ کے لیے دشمنی رکھو۔'' (مسند أحمد: ١٨٥٢٤)

ان دونوں سوالات سے مقصود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوچنے کی صلاحیت کو اُبھارنا اور مسائل کو سمجھنے کی تربیت دینا، اور دین کے بارے میں فہم کو مضبوط کرنا تھا، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوالات کرنے کا انداز کسی حد تک معروضی نوعیت کا تھا۔

امتحانات کے مقاصد

امتحانات کے بنیادی چار مقاصد ہیں:

❶ - پہلا مقصد: طلبہ کی جانب سے سیکھے گئے علم کا امتحان لینا۔

❷ - دوسرا مقصد: طلبہ کی خوبی وخامی کی نشاندہی۔

❸ - تیسرا مقصد: طلبہ کی تعلیمی ترقی کا تعیُّن۔

❹ - چوتھا مقصد: ادارے کے تعلیمی معیار کا اندازہ۔

اب سیکھے گئے علم کا امتحان تین طریقوں سے ہوسکتا ہے:

(الف) قوتِ حافظہ کا امتحان

قوتِ حافظہ کا امتحان کہ فرد کتنی معلومات یاد کرسکتا ہے، اور کتنی دیر تک اس کو برقرار اور محفوظ رکھ سکتا ہے۔ مدارس میں امتحانات کے ذریعے طلباء کی یادداشت اور حافظہ کی صلاحیتوں کا بھی امتحان لیا جاتا ہے، اور مدارس میں حافظہ کا امتحان ایک اہم عنصر ہے، کیونکہ دینی متون کا حفظ، اصول وقواعد اور فقہی مسائل کو اَز بر کرنا دینی مدارس کے طلبہ کی اہم ضرورت ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے مختلف مدارس میں امتحان میں طلبہ کرام سے بعض ایسے سوالات بھی پوچھے جاتے ہیں، جن کا تعلق محض حافظہ سے ہوتا ہے، جس سے طالب علم کی یادداشت سے متعلق صلاحیت واضح ہوجاتی ہے۔

(ب) قوتِ تفہیم کا امتحان

قوتِ تفہیم کے جانچنے سے مقصود طلبہ کی معلومات کو صحیح طور پر سمجھنے کی صلاحیت کا اندازہ لگانا اور اُن کو الفاظ سے آگے بڑھا کر معنی ومفہوم کے سمجھنے کی تحریک دینا ہے کہ طلبہ کرام صرف الفاظ یا متن کو یاد نہ کریں، بلکہ اس کے مفہوم اور معانی کو بھی سمجھیں، اس لیے عموماً امتحانی پرچوں میں کسی موضوع کے متعلق متن دیا جاتا ہے، اور طالب علم سے اس متن میں موجود مسائل ومفاہیم کے متعلق استفسار کیا جاتا ہے۔

(ج) قوتِ غور وفکر

قوتِ غور وفکر کے امتحان سے مقصود طلبہ کی فکری صلاحیتوں کا اندازہ، اور مسائل پر غور وفکر کرنے کی صلاحیت کا جائزہ لینا ہوتا ہے کہ اپنی عقل وفہم کے ذریعے دیے گئے معروضی سوالات کے اختیارات میں سے درست جواب کا انتخاب یا مسائل اخذ کرسکتا ہے یا نہیں؟

تعلیمی نظم میں معروضی امتحان کی اہمیت

تعلیمی نظام میں معروضی امتحان کئی پہلوؤں سے اہمیت کا حامل ہے، یہ امتحانات کم وقت میں بڑی تعداد میں طلبہ کی تعلیمی کیفیت معلوم کرنے کے لیے انتہائی موزوں اور اساتذہ اور طلبہ دونوں کے لیے جانچنے کے اعتبار سے مفید ہے، معروضی سوالات میں نمبر دینا اور فیصلہ کرنا تفصیلی امتحان کی بنسبت آسان ہوتا ہے، غلطی یا جانبداری کا امکان کم ہوتا ہے، نصاب کا احاطہ کرتا ہے، اور طلبہ کی مختلف صلاحیتوں کے جانچنے کا اہم ذریعہ ہے، اس کے علاوہ کئی پہلوؤں سے معروضی امتحان اہمیت کا حامل ہے، جسے فوائد کے ذیل میں تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

معروضی سوالات کے فوائد وثمرات

معروضی سوالات کے کئی فوائد ہیں، کچھ اہم فوائد درج ذیل ہیں:

❶ - طلبہ کی مختلف ذہنی صلاحیتوں کا امتحان

معروضی سوالات کے جوابات دینے سے طالب علم کی تینوں صلاحیتوں یعنی قوتِ حافظہ، قوتِ تفہیم، قوتِ تفکیر کا امتحان لیا جاسکتا ہے۔ مختصر سوالات کے جوابات کے ذریعے قوتِ حافظہ کا امتحان، صحیح، غلط کی نشاندہی کے ذریعے قوتِ تفہیم اور کثیر الانتخابی یا خالی جگہیں پر کرنے کے ذریعے قوتِ غور وفکر کو جانچا جاسکتا ہے۔

❷ - نصاب کا مکمل احاطہ

معروضی سوالات کے ذریعے نصاب کے مختلف پہلوؤں کو مختصر وقت میں جانچا جاسکتا ہے، ایک ہی پرچہ میں متعدد موضوعات کا احاطہ کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ تفصیلی امتحان میں پوری کتاب میں سے چند مقامات سے ہی امتحان لینا ممکن ہوتا ہے، جس سے کتاب میں موجود مضامین کا اِحاطہ نہیں ہوتا، اور اِحاطۂ کتاب کی صورت میں امتحانی پرچہ طویل ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، جبکہ معروضی امتحان میں زیادہ سوالات شامل کرکے مختلف موضوعات کا اِحاطہ کیا جاسکتا ہے، جس کی وجہ سے طالب علم پوری کتاب پڑھنے اور شروع سے ہی

محنت کرنے پر مجبور ہوگا، کیونکہ مدارسِ اسلامیہ میں معتد بہ تعداد ایسے ذہین طلبہ کرام کی بھی ہوتی ہے جو صرف امتحان کی راتوں میں کتاب کی ورق گردانی کرکے، اور چیدہ چیدہ امتحانی مقامات پڑھ کر بآسانی امتحان میں پاس ہوجاتے ہیں، ایسے طلبہ کرام کی سستی کو روکنے کے لیے معروضی سوالات بہترین نسخہ ہے، کیونکہ معروضی سوالات اگر معیاری بنائے جائیں تو پوری کتاب پڑھے بغیر اس کو مکمل حل کرنا مشکل ہوگا۔

❸ - وقت کی بچت

معروضی سوالات تیار کرنے میں اگرچہ وقت زیادہ لگتا ہے، لیکن ان کے جوابات حل کرنے میں تفصیلی پرچہ کی بنسبت وقت بہت کم لگتا ہے، جس سے وقت کی بچت ہوجاتی ہے، تفصیلی پرچے کے تین گھنٹہ کا مواد معروضی پرچے میں آدھے گھنٹے میں پوچھا جاسکتا ہے، کیونکہ پرچے میں آدھے سے زیادہ محنت استاذ کرچکا ہوتا ہے، طالب علم کو صرف صحیح جواب کی نشاندہی کرنی ہوتی ہے، جبکہ تفصیلی سوالات حل کرنے میں زیادہ وقت لگتا ہے، اس میں زیادہ محنت طالب علم کو کرنی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وقت بھی زیادہ لگتا ہے۔

❹ - پڑتال کے عمل میں شفافیت

تفصیلی پرچہ چیک کرنے میں دشواری کے علاوہ اساتذہ کرام کو نمبر دینے میں پریشانی ہوتی ہے، ممتحن اساتذہ کرام کو ہر وقت طلبہ کرام کو نمبر دینے میں کمی یا زیادتی کا خوف لگا رہتا ہے، اساتذۂ کرام کما حقہٗ نمبر دینے کی کوشش کرتے ہیں، مگر کمی کوتاہی بہرحال ہوجاتی ہے۔ بعض اوقات طالب علم کو جو مطلوبہ نمبر ملنے ہوتے ہیں وہ نہیں مل پاتے یا استحقاق سے زیادہ بھی مل جاتے ہیں، جس کی وجہ سے طلبہ اپنے پرچوں کی نظرِ ثانی کراتے ہیں، اور نظرِ ثانی کے بعد اکثر نمبرات میں تغیر ہوجاتا ہے، جبکہ معروضی امتحانات میں اساتذہ کرام کو مذکورہ دشواری پیش نہیں آتی، چونکہ ہر سوال کا ایک درست جواب ہوتا ہے، طالب علم کے پاس محدود ہی اختیارات ہوتے ہیں۔ اگر جواب درست ہوا تو نمبر مل جائیں گے، اور جواب درست نہیں ہوا تو نمبر نہیں ملیں گے۔

❺ - غلطی یا جانبداری کا امکان

معروضی سوالات کی جانچ پڑتال میں انسانی غلطی یا جانب داری کا امکان کم ہوتا ہے۔ چونکہ جوابات مخصوص اور مختصر ہوتے ہیں، اس لیے نمبر دینے میں غلطی یا جانب داری کا امکان کم ہوتا ہے۔

❻ - ماہانہ تعلیمی جائزوں کے لیے موزوں

معروضی سوالات ماہانہ تعلیمی جائزوں کے لیے انتہائی موزوں ہیں، چونکہ اس کے حل کرنے میں

وقت کم لگتا ہے، اس لیے اساتذہ کرام اپنے مقررہ گھنٹہ میں بھی ماہانہ امتحان لے سکتے ہیں، کسی دوسرے استاذ سے مزید وقت لینے کی ضرورت نہیں ہوگی، گویا اساتذہ کرام معروضی سوالات کی مدد سے کم وقت میں جلدی اور آسانی سے طلباء کی کارکردگی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

❼-فوری نتائج کا سبب

تفصیلی سوالات کے نتائج کی تیاری میں کافی وقت لگتا ہے، جبکہ معروضی سوالات کا نتیجہ فوری معلوم ہو جاتا ہے، جس سے طالب علموں کو اپنی کمزوریوں کو جلدی سمجھنے اور ان کے ازالے کے لیے وقت مل سکتا ہے۔

❽-کمزور خط والے طلبہ کے لیے مفید

مدارس میں اکثر طلبہ کرام خطاط اور خوش نویس ہوتے ہیں، لیکن بعض طلبہ کرام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا خط کمزور ہوتا ہے، حالانکہ ان میں سے بعض اچھی استعداد کے حامل، اور محنتی طلبہ ہوتے ہیں، اور کتاب کے مضامین بھی ان کو یاد ہوتے ہیں، مگر خط کمزور ہونے کی وجہ سے تفصیلی پرچہ کے سوالات کے جوابات میں اظہار مافی الضمیر صحیح طریقے سے نہیں کر پاتے، جس کی وجہ سے باوجود یاد ہونے کے وہ اچھے نمبرات حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے، معروضی طرز کا امتحان ایسے طلبہ کرام کے لیے مفید ثابت ہوگا۔

❾-رَٹا لگانے کی عادت کی حوصلہ شکنی

معروضی سوالات طلبہ کرام میں موجود رَٹے لگانے کی عادت کو کم کردے گا، کیونکہ معروضی سوالات ایسے طریقے سے بنائے جاتے ہیں، اس میں طلبہ کرام کو محض رَٹا لگانے کے بجائے سمجھ بوجھ کی صلاحیت کو استعمال کرنا پڑتا ہے، اس سے رَٹے لگانے کی حوصلہ شکنی ہوجائے گی، اس سے طلبہ کرام کو کتاب یاد کرنے کے بجائے سمجھنے کا رجحان بڑھے گا۔

❿-وسائل کی بچت

معروضی امتحان وقت اور وسائل دونوں کی بچت کا ذریعہ ہے، تفصیلی امتحان میں اساتذۂ کرام کے لیے طویل وقت کے لیے مسلسل نگرانی کرنا مشکل ہوجاتا ہے، اور تفصیلی امتحان میں کاغذ بھی زیادہ استعمال ہوتا ہے، سوال کے لیے الگ کاغذ، جوابات کے لیے الگ جوابی کاپی دینی پڑتی ہے، اور طلبہ کرام پھر غیر ضروری ابحاث ذکر کر کے مزید کاغذ استعمال کرتے ہیں، جبکہ معروضی امتحان میں نہ غیر ضروری اَبحاث کو

ذکر کیا جاسکتا ہے، اور نہ ہی کاغذ کا بے جا استعمال ہوتا ہے۔

⓫ - ادارے کے تعلیمی معیار میں ترقی کا ذریعہ

تفصیلی سوالات اور معروضی سوالات کے امتزاج سے کسی بھی ادارے کے تعلیمی معیار کو بہتر بنایا جاسکتا ہے، اور دونوں کی مدد سے تعلیمی معیار کو ترقی مل سکتی ہے، صرف معروضی امتحان لینا اور تفصیلی امتحان سے اِعراض کرنا، یا تفصیلی امتحان لینا اور معروضی سے اِعراض کرنے سے تعلیمی نظام معیاری اور مضبوط نہیں ہوسکتا، لہٰذا تفصیلی اور معروضی امتحان کا امتزاج ادارے کی ترقی کا سبب ہے۔

⓬ - علم کی وسعت وگہرائی

معروضی امتحان طلبہ کو مطالعہ میں گہرائی اور کتب کے اہم نکات کو یاد کرنے پر مجبور کرتا ہے، طلبہ کو مطالعہ کے دوران مختلف موضوعات اور کتابوں کو چھوٹی چھوٹی جزئیات کو یاد کرنے میں بھی توجہ مرکوز رکھنی پڑتی ہے، جس سے ان کی علمی گرفت مزید مضبوط، مطالعہ میں گہرائی، اور علم میں وسعت پیدا ہوجاتی ہے۔

⓭ - اساتذہ کی تقرری میں آسانی

معروضی سوالات مدارس میں اساتذۂ کرام کی تقرری کے حوالے سے بھی مفید ہیں، مختلف مدارس میں مدرسین کی ضرورت ہوتی ہے، اور ایک نشست کے لیے ذمہ دار حضرات کو کئی کئی درخواستیں موصول ہوجاتی ہیں، اگر ان سب حضرات کا انٹرویو لیا جائے اور پھر ان میں سے کسی کا انتخاب کیا جائے تو یہ ایک مشکل اور وقت طلب کام ہے، لہٰذا معروضی امتحان کے ذریعے کم وقت میں باصلاحیت افراد کے انتخاب کا عمل آسان ہوجائے گا۔

معروضی سوالات کی صورتیں

معروضی سوالات کی کئی قسمیں اور صورتیں ہوسکتی ہیں، ذیل میں مشہور اقسام میں سے ہر ایک کی تعریف اور ہر قسم کو واضح کرنے کے لیے چند مثالیں ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر پیش کی جارہی ہیں:

پہلی صورت: مختصر سوالات (Short Answer Questions)

مختصر سوالات سے مراد ایسے سوالات ہیں جن کا جواب، ایک لفظ میں ہو، یا تفصیلی جواب کی بنسبت مختصر ہو۔ ان سوالات میں زیادہ وضاحت یا تفصیل کی ضرورت نہیں ہوتی، اور اس قسم کے سوالات سے مقصود طالب علم کی یادداشت اور بنیادی معلومات کا امتحان ہوتا ہے۔

ذیل میں چند مثالیں دی جاتی ہیں:

مثال نمبر ❶: کلمہ کی تعریف صاحبِ هداية النحو نے ذکر کی ہے: ''الكلمة لفظٌ وضع لمعنی مفرد.''

اب کلمہ کی تعریف کو مختلف طریقوں سے پوچھا جا سکتا ہے، جن میں سے دو درج ذیل ہیں:

①- تفصیلی سوال کرنے کا طریقہ ②- مختصر سوال کرنے کا طریقہ

رائج تفصیلی سوال کا طریقہ یہ ہے:

سوال: کلمہ کی تعریف مع فوائدِ احترازیہ بیان کریں۔

اس سوال سے مقصود یہ ہے کہ طلبہ پہلے کلمہ کی تعریف کریں، اور اس کے بعد اس تعریف میں سے فوائدِ قیود کی تعیین کر کے احترازی فوائد تفصیل سے بیان کریں۔

اور دوسرا طریقہ مختصر سوال کرنے کا ہے جو کہ درج ذیل ہے:

①- کلمہ کی تعریف کریں۔

②- کلمہ کی تعریف میں ''لفظ'' کی قید سے کس سے احتراز کیا؟

③- کلمہ کی تعریف میں لفظ ''وُضع'' کی قید سے کس سے احتراز کیا؟

④- کلمہ کی تعریف میں لفظ ''لمعنی'' کی قید سے کس سے احتراز کیا؟

⑤- کلمہ کی تعریف میں لفظ ''مفرد'' کی قید سے کس سے احتراز کیا؟

مثال نمبر ❷: اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب تفصیلی طریقہ سے پوچھا جائے تو سوال یوں ہوگا: اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب مع شرائط، امثلہ سے واضح کریں۔

اور اگر اسی سوال کو مختصر طریقے سے پوچھا جائے تو سوال درج ذیل انداز میں ہوگا:

①- اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب بیان کریں۔

②- اسمائے ستہ مکبر نہ ہوں، بلکہ مصغر ہوں تو ان کا اعراب کیا ہوگا؟ مثال بیان کریں۔

③- اسمائے ستہ اگر موحدہ نہ ہوں، بلکہ تثنیہ یا جمع ہوں تو پھر ان کا کیا اعراب ہوگا؟ مثال بیان کریں۔

④- اسمائے ستہ مکبرہ مقطوع عن الاضافہ ہوں تو اس صورت میں کیا اعراب ہوگا؟ مثال سے وضاحت کریں۔

⑤- اسمائے ستہ مکبرہ اگر یاءِ متکلم کی طرف مضاف ہوں تو پھر اس صورت میں ان کا کیا اعراب ہوگا؟ مثال بیان کریں۔

مثال نمبر ❸: فعل کو مذکر ومؤنث لانے کے قواعد کے متعلق سوال کرنا ہو تو تفصیلی طریقہ یہ ہوگا کہ فعل کو مذکر مؤنث لانے کے قواعد مع امثلہ بیان کریں، لیکن اگر اسی سوال کو مختصر سوالات کی صورت میں پوچھا جائے تو سوالات درج ذیل ہوں گے:

①- فاعل مؤنثِ حقیقی اسم ظاہر ہو اور فعل وفاعل کے درمیان فاصلہ نہ ہو تو فعل کو کس طرح لایا جائے گا؟

②- فاعل مؤنث حقیقی اسم ظاہر ہو اور فعل وفاعل کے درمیان فاصلہ ہو تو فعل کو کس طرح لایا جائے گا؟

③- فاعل مؤنث غیر حقیقی اسم ظاہر ہو تو فعل کو کس طرح لایا جائے گا؟ مثال بیان کریں۔

④- فاعل مؤنث غیر حقیقی اسم ضمیر ہو تو فعل کو کس طرح لایا جائے گا؟ مثال بیان کریں۔

⑤- فاعل جمع مذکر مکسر ہو اور اسم ظاہر ہو تو فعل کو کس طرح لایا جائے گا؟ مثال بیان کریں۔

⑥- فاعل جمع مذکر مکسر کی ضمیر ہو تو فعل کو کس طرح لایا جائے گا؟ مثال بیان کریں۔

اسی طرح مختصر سوالات کے بعض جوابات یک لفظی ہوتے ہیں، مثالیں ذیل میں پیش کی جارہی ہیں:

①-''قام ھٰؤلاء'' میں ھٰؤلاء معرب ہے یا مبنی؟ جواب: مبنی۔

②- اسماءِ متمکنہ کل کتنے ہیں؟ جواب: چودہ

③- رفع کی کتنی علامات ہیں؟ جواب: پانچ

④- فعل کے لیے کس چیز کا ہونا ضروری ہے؟ جواب: فاعل

دوسری صورت: کثیر الانتخابی سوالات: (Multiple Choice Questions)

کثیر الانتخابی سوالات سے مراد ایسے سوالات ہیں جس میں جواب دینے والے کو تین سے چار ممکنہ جوابات کے اختیارات دیے جاتے ہیں، اور ان تین چار ممکنہ جوابات میں سے ایک جواب صحیح ہوتا ہے، اور طالب علم کو اس صحیح جواب کا انتخاب کرنا ہوتا ہے، اور اس قسم کے سوالات سے مقصود طالبِ علم کی قوتِ تفہیم اور سمجھ بوجھ کا امتحان ہوتا ہے، اگر طالب علم نے سمجھ کر پڑھا ہوگا تو صحیح جواب منتخب کر سکے گا، کیونکہ کثیر الانتخابی سوالات کے جو دوسرے اختیارات ہوتے ہیں، وہ بھی صحیح جواب کے متوازن ہوتے ہیں۔ ذیل میں چند مثالیں ذکر کی جارہی ہیں:

❶- ھدایۃ النحو کے مصنف کا نام کیا ہے؟

(الف) جمال الدین (ب) سراج الدین (☆) (ج) کمال الدین

❷ - لفظ عبداللہ غیر منصرف ہے:

(الف) علم اور مرکب اضافی کی وجہ سے (ب) علم اور عجمہ کی وجہ سے (ج) منصرف ہے (☆)

❸ - مسند اور مسند الیہ کا ہونا ضروری ہے؟

(الف) فعل کے لیے (ب) اسم کے لیے (☆) (ج) کلام کے لیے

❹ - جاری مجری صحیح وہ کلمہ ہے جس کے آخر میں ہو؟

(الف) یاء ماقبل ساکن (ب) واوٗ ماقبل ساکن (ج) واوٗ یا یاء ماقبل ساکن (☆)

❺ - نون تثنیہ ہمیشہ ہوتا ہے؟

(الف) مرفوع (ب) مفتوح (ج) مکسور (☆)

ان سب سوالات میں ہر سوال کے سامنے مختلف اختیارات دیے گئے ہیں، جن میں ایک جواب صحیح، باقی غلط ہے، ان اختیارات میں سے طالب علم کو صحیح جواب کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔

تیسری صورت: خالی جگہیں پر کرنا (Fill in the Blanks)

اس قسم کے سوالات میں ایک عبارت دی جاتی ہے، جس میں کسی جگہ سے لفظ یا الفاظ غائب کر کے خالی جگہ چھوڑی جاتی ہے، اور طلبہ کرام کو اس خالی جگہ کو صحیح لفظ یا فقرے سے پُر کرنا ہوتا ہے، مثال کے طور پر:

❶ - اسم مقصور اور غیر جمع مذکر سالم مضاف بیاء متکلم کا اعراب تینوں حالتوں میں ...... ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا عبارت میں خالی جگہ کو صحیح جواب سے پر کرنا ہوگا، اور اس کا صحیح جواب ہے: تقدیری، یعنی اسم مقصور اور غیر جمع مذکر سالم مضاف بیاء متکلم کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے۔

❷ - جمع مذکر سالم مضاف بیاء متکلم کا اعراب حالت رفعی میں ...... کے ساتھ ہوتا ہے۔ (واوٗ تقدیری)

❸ - اگر اسم کے معدول عنہ پر غیر منصرف کے علاوہ خارج میں بھی دلیل موجود ہو تو اس کو ...... کہا جاتا ہے۔ (عدل تحقیقی)

❹ - وصف کا غیر منصرف بننے کے لیے شرط ہے کہ وہ ...... میں وصف ہو۔ (اصل وضع)

چوتھی صورت: صحیح وغلط سوالات (True/False Questions)

اس قسم کے سوالات سے مراد ایسے سوالات ہیں جن میں ایک عبارت دی جاتی ہے، اور اس کے سامنے

دو اختیارات ہوتے ہیں، (صحیح، غلط/ (×) (✓) ان دونوں میں کسی ایک صحیح جواب کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر:

①-اعرابِ محلی معرب پر داخل ہوتا ہے۔ (×)

چونکہ اعرابِ محلی معرب پر نہیں آتا، بلکہ مبنی پر آتا ہے، اس لیے اس جواب کے آگے علامتِ غلط (×) لگائی گئی، اسی طرح دیگر مثالوں کو بھی ملاحظہ فرمائیں:

②-علم اور وصف جمع ہو سکتے ہیں۔ (✓)

③-ذو کے اعراب کے لیے ضروری ہے کہ وہ صاحب کے معنی میں ہو۔ (✓)

④-جمع مؤنث سالم کے اعراب لیے شرط ہے اس کی مفرد کے آخر میں تا ہو، جیسے مؤمنۃ کی جمع مؤمنات۔ (×)

⑤-جمع مؤنث سالم میں جر کو نصب کے تابع کیا گیا ہے۔ (×)

⑥-غیر منصرف میں نصب کو جر کے تابع کیا گیا ہے۔ (×)

پانچویں صورت: غلط عبارت کی نشاندہی کر کے درست لکھنا

اس قسم کے سوالات سے مراد ایسے سوالات ہیں، جن میں طلبہ کو ایک غلط جملہ لکھ کر دیا جاتا ہے، اور انہیں اس غلطی کی نشاندہی کر کے تصحیح کرنے کے لیے کہا جاتا ہے، اس قسم کے سوالات سے مقصود طالب علم کا نفسِ کتاب سے تعلق قائم کرنا، اور قوتِ تفہیم کا جانچنا ہوتا ہے، جیسے کافیہ سے چند سوالات ملاحظہ فرمائیں:

	عبارت	غلط عبارت	درست عبارت
1	الإسم: أن تدل على معنى في نفسها مقترن بأحد الأزمنة الثلاثة	مقترن	غير مقترن
2	الكلام: ماتضمن كلمتين بالإضافة	بالإضافة	بالإسناد
3	حكم المعرب أن يختلف آخره باختلاف العوامل لفظاً فقط	لفظاً فقط	لفظاً أو تقديرًا
4	جمع المؤنث السالم بالضمة والفتحة	والفتحة	والكسرة
5	غير المنصرف بالضمة والكسرة	والكسرة	والفتحة

چھٹی صورت: ملاپ سوالات (Matching Questions)

ایسے سوالات میں دو کالم دیے جاتے ہیں، ایک کالم میں سوالات اور دوسرے کالم میں جوابات ہوتے ہیں، جنہیں آپس میں درست طریقے سے ملانا ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

①-الف مقصورہ		وہ مؤنث جس میں علامتِ تانیث ظاہر ہو۔
②-الف ممدودہ		وہ زائد الف جو اسم کے آخر میں ہو، جس کے بعد ہمزہ نہ ہو۔
③-مؤنثِ حقیقی		وہ زائد ہمزہ جو اسم کے آخر میں ہو، جس سے پہلے الف ہو۔
④-مؤنثِ لفظی		وہ مؤنث جس کے مقابلے میں جاندار مذکر ہو۔
⑤-مؤنثِ قیاسی		وہ مؤنث جس کے مقابلے میں جاندار مذکر نہ ہو۔

ساتویں صورت: ترتیب والے سوالات (Ordering or Sequencing Questions)

ترتیب والے سوالات میں طلبہ کو تاریخی واقعات کو ترتیب دینے، یا کسی چیز کی اقسام کو صحیح ترتیب میں ترتیب دینے کے لیے کہا جاتا ہے، مثلاً:

سوال: درج ذیل غزوات کو صحیح ترتیب سے لکھیں۔

(الف) غزوۂ خندق

(ب) غزوۂ بدر

(ج) غزوۂ حنین

(د) غزوۂ احد

جواب: صحیح ترتیب یہ ہے: غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ خندق، غزوۂ حنین۔

سوال: نمازِ جنازہ کے طریقے کو ترتیب سے لکھیں:

(الف) پہلی تکبیر کے بعد درود پڑھنا

(ب) دوسری تکبیر کے بعد دعا پڑھنا

(ج) تیسری تکبیر کے بعد ثنا

(د) چوتھی تکبیر کے بعد سلام

جواب: صحیح ترتیب درج ذیل ہے:

(الف) پہلی تکبیر کے بعد ثنا پڑھنا

(ب) دوسری تکبیر کے بعد درود پڑھنا

(ج) تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے دعا

(د) چوتھی تکبیر کے بعد سلام۔

گزارشات

تعلیمی نظام میں معروضی امتحان کو شامل کرنے کے حوالے سے بحیثیت ایک طالب علم چندگزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں:

(الف) مدارس کے موجودہ نصاب کو مرحلہ وار معروضی سوالات کے قالب میں ڈھالنے کی طرف پیش قدمی کرنی چاہیے، اس کے لیے پہلے نصاب کا جائزہ لیں کہ کون سے مضامین میں معروضی سوالات بنائے جاسکتے ہیں۔ ابتدائی مرحلہ میں تفصیلی امتحانات کے ساتھ ساتھ کچھ درجات میں مخصوص مضامین کے لیے معروضی سوالات شامل کریں، اور سوالات میں مختلف انداز اپنانے کا خیال رکھیں، جیسے صحیح یا غلط، خالی جگہ پُر کرنا، یا درست جواب چننا، وغیرہ۔

(ب) معروضی سوالات بنانے اور جانچنے کا طریقہ سکھانے کے لیے اساتذہ کرام سے مذاکرہ کیا جائے، اساتذہ کرام سے معروضی سوالات کی مؤثریت پر آراء جمع کی جائیں، اور ان کی آراء کی روشنی میں کوئی لائحہ عمل طے کیا جائے۔

اسی طرح ہر فن (مثلاً نحو، صرف، فقہ، بلاغت و منطق وغیرہ) کے ماہر اور تجربہ کار اساتذہ کی الگ الگ جماعتیں بنائی جائیں جو متعلقہ کتابوں سے معروضی سوالات تیار کریں۔ ہر جماعت کا ایک مسئول ہو، تاکہ سارے سوالات ایک ترتیب سے بنیں۔

یا ہر ایک استاذ اپنی مفوضہ کتاب کے تمام ممکنہ معروضی سوالات خود ہی بنالیں، اُمید ہے کہ کچھ ہی عرصے میں کسی بھی فن کے تمام ممکنہ معروضی سوالات تیار ہوجائیں گے۔

(ج) طلبہ کرام سے ماہانہ تعلیمی جائزوں کے ذریعے معروضی سوالات حل کرائے جائیں، تاکہ وہ اس طرزِ امتحان کے عادی ہوجائیں۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

عدنانؒ ‘عدنان ہوگیا

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
استاذ و ناظم تخصص فقہِ اسلامی، جامعہ

حامداً و مصلیاً و مسلّماً

’’لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا‘‘ (الاحزاب:۲۱)

ترجمہ: ’’تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہو‘ رسول اللہ (ﷺ) کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔‘‘

اس آیتِ مبارکہ میں دو باتیں نمایاں طور پر بیان ہوئی ہیں، ایک یہ کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات میں اُمتیوں کے لیے ہر اعتبار سے بہترین نمونہ موجود ہے۔ دوسرا یہ کہ آپ ﷺ کی ذات کے ہر پہلو میں اقتدا کرنا اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان کی علامت ہے۔

چنانچہ انسانی زندگی کے دنیوی اطوار ہوں یا اُخروی سفر اور منزل کے راہنما اُصول ہوں، یہ سب فیضانِ رسالت کے چشمۂ فیاض ہی سے پھوٹتے ہیں۔ اسی طرح انسان کی زندگی میں غمی اور خوشی کے دو مرحلے کسی نہ کسی موڑ پر ضرور آتے ہیں، ان دونوں مراحل میں بندۂ مومن ایمانی تقاضے کے تحت نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے لو لگانے میں ہی راحت ونجات سے ہم کنار ہوسکتا ہے۔ عام مسلمان خوشی کی مستی یا غمی کے فطری بوجھ میں اُسوۂ طیبہ سے غافل ہوسکتے ہیں، مگر اہل اللہ کی نشانی یہ ہے کہ خوشی اور غمی کے ان دونوں مواقع پر ان کے فطری جذبات، اُسوۂ حسنہ اور نبوی تعلیمات کے سامنے باادب نظر آتے ہیں، ان کی خوشی‘ خدا فراموشی تک نہیں جاتی اور ان کی غمی سیرتِ طیبہ میں ہی اپنے لیے تسلی کا سامان ڈھونڈتی ہے۔

سو سیرتِ طیبہ سے سامانِ تسلی تلاشنے اور عمل پیرا ہونے کی ایک زندہ تابندہ مثال ہماری جامعہ کے

استاذ، ماہ نامہ بینات کراچی کے معاون مدیر، عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کراچی کے امیر برادرِ معظم حضرت مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ صاحب زید مجدہم نے اس وقت پیش فرمائی جب آپ کے جواں سالہ فرزند ارجمند حافظ محمد عدنان رحمہ اللہ کی مرگِ ناگہاں کا سانحہ پیش آیا۔

مؤرخہ ۱۴/اکتوبر ۲۰۲۵ء کو خلافِ معمول صبح ساڑھے پانچ بجے مولانا محمد اعجاز صاحب کا فون آیا، سہمتے ہوئے فوراً فون اُٹھایا تو دوسری طرف سے مولانا کی اطمینان بھری آواز میں علیک سلیک کے بعد بڑے ہی حوصلے سے اطلاع دی کہ: ''میرا بیٹا عدنان اچانک فوت ہوگیا ہے، عصر کے بعد جامعہ میں جنازہ کا مشورہ ہوا ہے، مقامِ تدفین کے لیے آپ احباب سے مشورہ کرکے ترتیب بنالیں۔'' چنانچہ جامعہ کے احباب اور آپ کے قریبی محبین کی مشاورت کے بعد عدنان کے لیے اسماعیل چاولہ قبرستان مواچھ گوٹھ کراچی میں تدفین عمل میں آئی۔ مولانا اعجاز صاحب کے لیے یہ حادثہ کس قدر جانکاہ ہے، اس کا اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہیں جن پر اس طرح کے حادثے گزرے ہوں یا ان کا مشاہدہ کیا ہو، مجھے یاد ہے کہ چند سالوں کے فاصلے سے میرے والدین نے بھی اپنے دو جواں سال بیٹوں (شفیق احمد، شکیل احمد) کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا تھا، پہلے بیٹے (شفیق احمد) کی وفات کے بعد ماں باپ نیم جان ہوکر دنیا کی رعنائیوں سے بے رغبتی کا مظہر بن گئے تھے، جبکہ دوسرے بیٹے (شکیل احمد) کی حادثاتی موت کے بعد ایسے جان بلب تھے گویا کہ مقدر ساعتوں کے مکمل ہونے کے انتظار کے بجز انہیں دنیا کے کسی کاروبار سے کوئی سروکار نہیں رہا۔

بہرحال اولاد کا درد کیا درد ہوتا ہے؟ اس کا صحیح اندازہ ایسے دکھی والدین کو ہی ہوسکتا ہے، دیکھنے والے ایسے والدین کے صرف حوصلوں کی شکست وریخت ہی دیکھ سکتے ہیں۔

چنانچہ برادرِ معظم مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ صاحب اپنے لختِ جگر حافظ محمد عدنانؒ کی ناگہانی جدائی پر صبر وحوصلہ کا وہ اعلیٰ نمونہ دکھائی دیے جس کی وہ زندگی بھر ایسے حادثات پر تلقین فرماتے رہے ہیں، حالانکہ عدنانؒ کی اچانک موت نے مولانا کے ہر متعلق کو ایسے رنجور کر رکھا تھا کہ جیسے ان کے کسی قریبی چہیتے عزیز کا انتقال ہوا ہو، جس کی ظاہری وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حافظ محمد عدنانؒ کو دوسروں کے لیے بے چین رہنے والا دل، اوروں کی بھلائی سوچنے والا دماغ، ضرورت مندوں کے کام آنے والا بے پناہ جذبہ اور بے کسوں کا ہاتھ بٹانے کا عظیم مشغلہ مقدور فرما رکھا تھا۔ حافظ محمد عدنانؒ بظاہر اسکول وکالج کا طالب علم تھا، لیکن والد گرامی کی مسجد کے جملہ امور میں بڑی مستعدی سے پیش پیش رہتا تھا، علماء وطلباء سے عقیدت واحترام کا ایسا رشتہ قائم تھا کہ ان کی غمی خوشی، علاج معالجہ اور خدمت ورہنمائی میں شہیدِ ختمِ نبوت مفتی محمد جمیل خان رحمۃ اللہ علیہ کا پکا پیرو دکھائی دیتا تھا، جبکہ اپنے والدِ گرامی کے ہمہ جہت دینی کاموں اور گھریلو ذمہ داریوں میں معاملہ فہم معاون بھی تھا۔

ایسے بیٹے کی جدائی مولانا محمد اعجاز صاحب کے لیے یقیناً غیر معمولی سانحہ ہے، مگر اس موقع پر مولانا کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں تو جھڑتی رہیں، دل حزن وملال کے بھنور میں ڈولتا رہا، مگر آپ نے نبی اکرم ﷺ کی سنت کی پیروی میں زبانِ حال وقال سے یہی ارشاد دہرایا: إن لله ما أخذ ولهٗ ما أعطی وکل شيء عندهٗ بأجل مسمّٰی، ولا نقول إلا ما یرضی به ربنا وإنا بفراقك یا عدنان لمحزونون. جبکہ عزیزم حافظ محمد عدنانؒ کی والدہ، بہن بھائیوں، دوست احباب اور اپنے شرکاءِ غم کو صبر وسلوان کی تلقین کرتے ہوئے مولانا نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے ان پہلوؤں کو دہرایا جن میں حضور ﷺ پر غموں کے پہاڑ ٹوٹے، غم خواری، اَشک شوئی اور ڈھارس کے اسباب چھوٹے، مگر آپ ﷺ نے اپنی چھ سالہ زندگی سے لے کر ۶۳ سالہ زندگی تک غموں کا سامنا کیسے کیا تھا، اور ان غموں کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کیسے نوازا تھا، مولانا محمد اعجاز صاحب نے اس عظیم صدمے کے موقع پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حزن وملال کے مواقع پر سکھائے گئے بہترین اُسوہ کی عملی پیروی وقولی مظاہرہ کرتے ہوئے جہاں اللہ تعالیٰ سے اجر وجزاء سمیٹی ہے، وہیں مسلمانوں بالخصوص اہلِ علم کے لیے غمی کے موقع پر اُسوۂ حسنہ کی پیروی کو عملاً پیش بھی فرمایا ہے، فجزاہ الله عن الإسلام وأهلهٖ خیرا.

بہرحال! یہ دنیا مسافر خانہ ہے یا راہ گزر ہے، مسلمان کا اصل گھر جنت ہے جہاں جانے کے لیے ہر کلمہ گو راہ روِ منزل ہے، کسی کی باری پہلے ہے اور کسی کی بعد میں ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق کوئی مسافر جب اپنے بچوں کے ہمراہ سفر سے منزل کی طرف لوٹ رہا ہو اور گھر قریب آتے ہی بچے اپنے گھر کو دیکھ کر والد سے پہلے دوڑ کر گھر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، یہی حال ہے جنت کی طرف جانے والے مسافرانِ دنیا کا کہ بسا اوقات ان کے بچے اُن سے پہلے جنت سدھار جاتے ہیں، اسی طرح حافظ عدنانؒ بھی اپنے والدین سے پہلے جنتِ عدن کا عدنان جا ٹھہرا ہے اور ہمیں اُمید ہے کہ حافظ عدنانؒ جس طرح دنیا میں اپنے والدین اور بہن بھائیوں کی راحت کا سامان تھا وہ جنت میں بھی اپنے خاندان کے لیے یوں ہی کارآمد پیش رو ثابت ہوگا، ان شاء اللہ!

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عدنانؒ کے والدین، بہن بھائیوں، اعزہ واقارب، اور جملہ متعلقین کو صبرِ جمیل اور اجرِ عظیم سے مالا مال فرمائے اور عدنانؒ کو جنتِ عدن کی اونچی منازل میں جگہ عطا فرمائے، آمین

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

جامعہ کے استاذ مولانا محمد فاروق صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت

محمد اعجاز مصطفیٰ

جامعہ کے اُستاذ ورفیق ’’شعبہ بینات‘‘ اورالغفار مسجد صدر، کراچی کے امام وخطیب مولانا محمد فاروق صدیقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۴ ربیع الثانی ۱۴۴۷ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۲۰۲۵ء بروز اتوار کوتقریباً ۶۳ سال کی عمر میں انتقال کر گئے ،إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، إن للہ ما أخذ ولہٗ ما أعطی وکل شيء عندہٗ بأجل مسمّٰی. اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وأکرم نزلہ . آمین.

مولانا مرحوم نے تقریباً ۳۰ سال تک جامعہ میں ماہنامہ بینات کی کمپوزنگ کی خدمت انجام دی اور کئی سال سے تدریس سے بھی وابستہ تھے۔ کچھ عرصہ سے علیل تھے، وقتِ موعود آ پہنچا۔ مولانا کا آبائی تعلق بنگلہ دیش کے ضلع فینی (چٹا گانگ) سے تھا۔ مولانا نے اپنے پیچھے بیوہ، دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں سوگوار چھوڑی ہیں۔ ایک صاحبزادے جامعہ کے فاضل اور دوسرے دورۂ حدیث کے طالب علم ہیں۔ جامعہ کی انتظامیہ، اساتذہ اور تمام عملہ مولانا کے پسماندگان سے تعزیت کرتے ہیں، دُکھ کی اس گھڑی میں اُن کے لیے دعا گو ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے، جملہ دینی خدمات کو قبول فرمائے، تمام پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

جامعہ کے اُستاذ مولانا محمد یاسر عبداللہ صاحب کو صدمہ

جامعہ کے استاذ مولانا محمد یاسر عبداللہ صاحب کا ۱۶ ماہ کا معصوم بچہ محمد سُلَیم ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۴۷ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۲۰۲۵ء بروز پیر کو داغِ مفارقت دے گیا، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، إن للہ ما أخذ ولہٗ ما أعطی وکل شيء عندہٗ بأجل مسمّٰی. أعظم اللہ أجرہٗ، وأحسن عزاءہٗ، آمین.

جامعہ کی انتظامیہ، اساتذہ اور تمام عملہ مولانا سے تعزیت کرتے ہیں، دکھ کی اس گھڑی میں اُن کے لیے دعا گو ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا، بچہ کی والدہ، اور تمام پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، بچہ کو والدین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے اور نعم البدل عطا فرمائے، آمین ثم آمین

ریکروٹمنٹ/ ملازمین بھرتی کرانے والی کمپنی میں ملازمت کرنا

ادارہ

سوال

میں پہلے ایک ریکروٹمنٹ/ ہیڈ ہنٹنگ کمپنی میں کام کرتی تھی، یہ کمپنی دنیا بھر کی مختلف تنظیموں کے لیے سینئر لیول کے لوگ (جیسے: CEO، CFO، COO وغیرہ) بھرتی کرتی تھی، کبھی کبھار یہ کمپنی شراب بنانے والی کمپنیوں اور بینکوں کے لیے بھی بھرتی کرتی تھی، لیکن میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتی تھی کہ میں ایسے کسی پروجیکٹ پر کام نہ کروں۔

ہم سب جانتے ہیں کہ اسلام میں سود لینا دینا حرام ہے، اسی وجہ سے میں پوری کوشش کرتی تھی کہ ایسے پروجیکٹس نہ لوں جن میں فنانس کے شعبے کے لوگوں کی بھرتی ہو، کیوں کہ یہ کمپنیاں عام طور پر غیر اسلامی ممالک میں ہوتی تھیں اور وہاں سود سے بچنا مشکل ہوتا ہے، اس کمپنی کی اچھی بات یہ تھی کہ وہاں زیادہ تر خواتین کام کرتی تھیں اور سب لوگ آپس میں اچھے اور پروفیشنل انداز میں بات کرتے تھے۔

اب میں ایک مقامی کمپنی میں کام کر رہی ہوں جو صرف ایک مسلم ملک کے اندر بھرتی کرتی ہے۔ یہاں کام کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جن فنانس کی پوسٹس کے لیے میں لوگوں کو بھرتی کرتی ہوں، وہ سود سے متعلق نہیں ہوتیں، لیکن یہاں زیادہ تر مرد کام کرتے ہیں، اور اگر چہ لوگ دین دار لگتے ہیں، پھر بھی ماحول غیر سنجیدہ ہے۔ کچھ مرد بہت بے تکلف ہو جاتے ہیں، فحش یا نامناسب باتیں کرتے ہیں، جو مجھے بہت برا لگتا ہے اور میں خود کو غیر محفوظ محسوس کرتی ہوں۔

اب میرا ایک انٹرویو ہے اُس کمپنی کی مقابل کمپنی میں جس میں میں پہلے کام کرتی تھی، اگر مجھے وہاں سے آفر ملی، تو میں پہلے کی طرح بینکوں یا شراب بنانے والی کمپنیوں کے لیے بھرتی نہیں کروں گی، لیکن میں یہ

جاننا چاہتی ہوں کہ کیا میرے لیے یہ جائز ہوگا کہ میں ریٹیل، FMCG، یا ٹیکنالوجی جیسی جائز کمپنیوں کے لیے فنانس کے لوگوں کو بھرتی کروں، حالاں کہ یہ کمپنیاں غیر اسلامی ممالک میں ہیں، اور ان کے فنانس کے لوگ ممکن ہے کہ سود سے متعلق کام کرتے ہوں؟

جواب

واضح رہے کہ ریکروٹمنٹ (کسی کمپنی یا ادارے کے لیے ملازمین کا انتخاب اور تقرری) کا کام فی نفسہ جائز ہے، البتہ ایسے ادارے کے لیے لوگوں کو بھرتی کرنا جن کا کام ہی شرعاً ناجائز اور حرام ہو یا ادارے کا بنیادی کاروبار تو جائز ہو، لیکن جس شخص کو بھرتی کیا جارہا ہو، اس کی ذمہ داری ناجائز اور حرام کام کی ہو اور ریکروٹمنٹ کمپنی کو اس کا علم بھی ہو تو یہ گناہ کے کام میں تعاون کی وجہ سے جائز نہیں ہوگا، اسی طرح کسی ادارے کی حریف کمپنی (Competitor) کو نقصان پہنچانے کے لیے اس ادارے سے کسی ایسے اہم اور بنیادی شخص کی ہیڈ ہنٹنگ کرنا جس سے ان کو نقصان ہو اور مقصد بھی نقصان پہنچانا ہی ہو جسے عام طور پر اصطلاح میں ''ٹیلنٹ پوچنگ'' (Talent Poaching) بھی کہا جاتا ہے' یہ بھی غیر اخلاقی عمل ہے اور مکروہ ہے، اس لیے ریکروٹمنٹ کمپنی کو جان بوجھ کر ایسے کام کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر مذکورہ ادارہ (جس سے سائلہ کو کام کی آفر آئی ہے) کی غالب آمدنی حلال ہے اور سائلہ بھی اس میں صرف جائز کاموں کے پراجیکٹ کرے گی تو ایسی کمپنی میں کام کرنا جائز ہوگا۔

باقی اگر کسی جائز کاروبار کرنے والی کمپنی کے لیے کسی ایسے شعبہ کے لوگوں کو بھرتی کیا جائے جس میں جائز اور ناجائز کام دونوں کا احتمال ہے (مثلاً فنانس کے ڈپارٹ کے لیے) تو محض شک یا احتمال کی وجہ سے یہ ناجائز نہیں ہوگا، جب تک یقینی طور پر معلوم نہ ہو کہ جس کو بھرتی کیا جارہا ہے اس کی ذمہ داری صرف حرام کام کی ہوگی۔ قرآن کریم میں ہے:

''وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ'' (المائدۃ:۲)

ترجمہ: ''اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔'' (بیان القرآن)

فتاویٰ شامی میں ہے:

''مطلب في أجرة الدلال ، قال في التتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل ، وما تواضعوا عليه أن في كل عشرة دنانير كذا، فذاك حرام

عليهم . وفي الحاوي : سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار ، فقال : أرجو أنهٗ لا بأس بهٖ وإن كان في الأصل فاسداً؛ لكثرة التعامل وكثير من هٰذا غير جائز ، فجوزوه لحاجة الناس إليه كدخول الحمام.''

(كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال: ٦/ ٦٣، ط: سعيد)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

''آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لا يقبل، ولايأكل ما لم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه، وإن كان غالب ماله حلالا لا بأس بقبول هديتهٖ والأكل منها، كذا في الملتقط.''

(كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات: ٣٤٣/ ٥، ط:رشيدية)

إمداد الفتاویٰ میں ہے:

''جن کی آمدنی بالکل حرام خالص ہے، جیسے مے فروش یا سودخور وغیرہ، ان کی نوکری کرنا ناجائز ہے اور جو تنخواہ اس میں سے ملتی ہو وہ حلال نہیں ہے۔'' (امداد الفتاویٰ، ج:۳،ص:۳۷۷،ط:رشیدیہ)

جواهر الفقه میں ہے:

''ثم السبب إن كان سببا محركا وداعيا إلى المعصية فالتسبب فيه حرام كالإعانة على المعصية بنص القرآن كقولهٖ تعالٰى: ''وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ''، وقولهٖ تعالٰى ''فَلَا يَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ''، وقولهٖ تعالٰى ''لَا تَبَرَّجْنَ'' الآية، وإن لم يكن محركا و داعيا، بل موصلا محضا، وهو مع ذلك سبب قريب بحيث لا يحتاج في إقامة المعصية به إلى إحداث صنعة من الفاعل كبيع السلاح من أهل الفتنة و بيع العصير ممن يتخذه خمرا و بيع الأمرد ممن يعصي به وإجارة البيت ممن يبيع فيه الخمر و يتخذها كنيسة أو بيت نار و أمثالها، فكله مكروه تحريما بشرط أن يعلم به البائع والأجر من دون تصريح بهٖ باللسان، فإنه إن لم يعلم كان معذورا، وإن علم كان داخلا في الإعانة المحرمة، وإن كان سببا بعيدا بحيث لا يفضي إلى المعصية على حالته الموجودة، بل يحتاج إلى إحداث صنعة فيه كبيع الحديد من أهل الفتنة وأمثالها فتكره تنزيها.''

(تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام: ٢/ ٤٣٩ - ٤٥٣، ط: مكتبة دارالعلوم)

فقط والله أعلم

فتویٰ نمبر:144702100725 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

پلاسٹک اور کاسمیٹک سرجری کا حکم

سوال

1- کوئی ایسی شکل وصورت کے ساتھ پیدا ہوا ہے جو مناسب سطح سے کم معلوم ہوتی ہے، تو کیا ایسا شخص اپنی شکل وصورت میں بہتری اور جمالیاتی اضافہ کے لیے کاسمیٹک سرجری کروا سکتا ہے؟

2- کوئی قابل قبول شکل وصورت کے ساتھ پیدا ہوا تھا، لیکن کسی حادثہ وغیرہ کی وجہ سے جسم پر کوئی داغ، نشان، وغیرہ لگ جائے، تو کیا ایسا شخص کاسمیٹک سرجری کے ذریعہ اپنا عیب درست کر سکتا ہے؟

3- عمر کے 40 سال کے بعد عمر کم کرنے والی کاسمیٹک سرجری (anti aging) کی اجازت ہے یا نہیں؟

جواب

اگر پلاسٹک سرجری یا کاسمیٹک سرجری کا مقصد خوب صورتی اور حسن میں اضافہ ہو تو اس کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ اور اگر مقصد ازالۂ عیب اور علاج ہو تو شرعی حدود میں رہتے ہوئے اس کی اجازت ہے۔

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 144205200296 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

نَقَدُ و نَظَر

ادارہ

دعائیں سمجھ کر مانگیے

جمع وترتیب: مولانا محمد حنیف عبدالمجید صاحب ومولانا حماد حسین صاحب۔صفحات: ۴۲۷۔ قیمت: درج نہیں۔ناشر: مکتبہ بیت العلم، فدا منزل، نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔ رابطہ نمبر:0322-2583199

دعا اللہ تعالیٰ کی ایک خاص عبادت ہے، بلکہ حدیث میں اُسے ’’مخّ العبادۃ‘‘ (عبادت کا مغز) کہا گیا ہے۔ دعا کے مفہوم اور آداب کا تقاضا اور قبولیت کی شرط یہ ہے کہ مکمل توجہ اور استحضار کے ساتھ مانگی جائے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔ دعا محض پڑھنے اور رَٹّا لگانے کی چیز نہیں ہے، دعا تو مانگنے کی چیز ہے۔ اصل دعا وہ ہے جس کا مانگنے والا اپنے منہ سے ادا کیے ہوئے الفاظ کا مطلب بھی جانتا اور سمجھتا ہو، اُسے یہ معلوم ہو کہ میں اپنی زبان سے پڑھی جانے والی دعا میں مانگ کیا رہا ہوں۔ اسی سوچ اور فکر کی روشنی میں یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔ قارئین کو دعا کے آداب اور تقاضے سمجھائے گئے ہیں۔ مختلف مواقع کی مسنون دعاؤں کا ترجمہ اور تشریح کر کے اُس موقع کی مناسبت سے آداب واحکام بتائے گئے ہیں۔ اِفادیت کے لیے ’’مشتے نمونہ از خروارے‘‘ چند آداب ملاحظہ فرمائیں: ۱- مکمل توجہ اور مقصود کو مدِنظر رکھ کر دعا مانگی جائے، ۲- حلال کمانا اور حلال کھانا، حرام سے بچنا، ۳- عبادت یا خدمت کے بعد دعا مانگنا۔ ۴- دعا کی قبولیت کے یقین کے ساتھ دعا مانگنا، ۵- بے قراری کے ساتھ دعا مانگنا، ۶- اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور درود شریف کے ساتھ دعا مانگنا، وغیرہ۔

کتاب میں کل ۱۶۸ دعائیں مذکور ہیں، جن کو بنیادی اور مرکزی عنوانات کے اعتبار سے چھ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے: پہلا باب: گھر، سفر، کھانے، مجلس اور سوتے وقت کی دعائیں۔ دوسرا باب: صبح وشام کی دعائیں۔ تیسرا باب: اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی دعائیں۔ چوتھا باب: بیماری سے متعلق دعائیں واذکار۔ پانچواں باب: نیند سے بیدار ہونے اور اس کے بعد کی دعائیں۔ چھٹا باب: نماز سے متعلق دعائیں۔

کتاب معنوی خوبیوں کے ساتھ ظاہری خوبیوں سے بھی مزین ہے، کاغذ اعلیٰ، سیٹنگ بہترین،

طباعت دورنگہ، جلد مضبوط اور ٹائٹل دیدہ زیب ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کتاب کا نفع عام فرمائے، قارئین کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

عُشر ادا کیجیے

مؤلف: مفتی خالد محمود صاحب (استاذ الحدیث آسٹریلیا مسجد، لاہور)۔ صفحات: ۹۶۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: جامع مسجد محمدی، رحمان گلی نمبر: ۳، نشتر روڈ، لاہور۔ رابطہ نمبر: 0321-4093108

زیرِتبصرہ کتاب ایک اہم مالی عبادت اور حکمِ شرعی ''عُشر'' سے متعلق ہے۔ کتاب میں زکوٰۃ وعُشر کا لغوی وشرعی مطلب ومفہوم بیان کرنے کے بعد ان کی اہمیت وفرضیت اور شرعی اور فقہی اعتبار سے عُشر کے اہم اہم مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب میں مذکور بنیادی اور مرکزی عنوانات درج ذیل ہیں: زکوٰۃ، قرآن حکیم اور عُشر، عُشر کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی برکات اور اس سلسلہ میں کچھ واقعات، عُشر کے تین پہلو، ثواب ہی ثواب، تاریخ عشر، مسائلِ عُشر، عُشری زمینیں، عُشر کے مستحق کون ہیں؟، عُشر کی ادائیگی سے متعلق متفرق مسائل، کھیت، باغات اور پھلوں کی حفاظت وبرکت کے وظائف۔

پاکستان ایک زرعی ملک ہے، زراعت سے متعلق ایک اہم عبادت عُشر ہے، جس سے کسان اور زمیندار طبقہ کافی حد تک غفلت کا شکار ہے، کتاب کی ضرورت واہمیت اس سے سمجھ آسکتی ہے، خاص کر کسانوں اور زمینداروں کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے مسلمان کسان بھائیوں کو اس عبادت وفریضہ کی اہمیت، اس کے شرعی مسائل کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

کتاب کا کاغذ اعلیٰ، طباعت دورنگہ، سیٹنگ بہترین اور جلد مضبوط اور ڈسٹ کور کے ساتھ ہے۔

حیاتِ مسیح علیہ السلام پر دورِ جدید کے فتاویٰ جات

مرتب: مولانا سہیل باوا صاحب زید مجدہٗ (لندن)۔ صفحات: ۲۳۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: ختمِ نبوت اکیڈمی، لندن۔ رابطہ نمبر: 0333-3346875 0335-2102186

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اولوا العزم انبیاء میں سے ایک جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ کی رو سے قیامت کی ایک خاص نشانی ہیں۔ ویسے تو ہر نبی نے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی ہے، مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بشارتِ محمدی کی صفت کو خاص طور پر قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا: ''وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ''، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی خاص صفات میں ایک صفت یہ بیان کی کہ میں اپنے بعد آنے والے نبی کی بشارت دینے والا ہوں جن کا نامِ نامی اسم گرامی ''احمد صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے۔ واضح رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام ذاتی ہیں: ایک محمد، دوسرا احمد۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دیگر امتیازی خصوصیات کے ساتھ ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو زندہ آسمان پر اُٹھالیا اور قربِ قیامت وہ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ یہ عقیدہ اِجماعی اور متفق علیہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینؒ، مفسرینؒ، محدثینؒ، ائمہ کرامؒ، فقہاء کرامؒ، اور تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے۔ اس عقیدہ کا منکر کافر ہے۔ اس عقیدہ میں تاویل کرنا زیغ وضلال اور کفر و اِلحاد ہے، اس عقیدہ میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

اسی عقیدہ سے متعلق ایک استفتاء ختمِ نبوت کے عالمی مبلغ حضرت مولانا سہیل باوا صاحب کی طرف سے پاکستان اور دنیا کے دیگر ممالک کے ممتاز دینی مدارس بشمول دارالعلوم دیوبند اور جامعہ بنوری ٹاؤن اور دیگر اداروں کے دارالافتاء کو بھیجا گیا، اس استفتاء کے جوابات کو زیرِتبصرہ کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ تمام فتاویٰ مستند اہلِ افتاء کے ہیں۔ یہ ایک دستاویز ہے جو تا قیامت مسلمانوں کے اس اِجماعی اور متفق علیہ عقیدہ کی گواہی دیتی رہے گی، ان شاء اللہ۔

فتاویٰ جات علمی اور تحقیقی ہیں، قرآن کریم، احادیث، تفاسیر اور کتبِ عقائد وفتاویٰ جات سے تفصیلی نقلی وعقلی دلائل دیے گئے ہیں۔ عقل کی روشنی میں بھی رفع ونزولِ عیسیٰ علیہ السلام کو سمجھایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمانوں پر اُٹھایا جانا اور دوبارہ قربِ قیامت میں نازل ہونا قدرتِ الٰہی کے اعتبار سے عجیب بالکل بھی نہیں ہے، عقلی اعتبار سے بھی ممکن ہے اور موجودہ ترقیاتی ایجادات کی مناسبت سے بھی اس میں کوئی استبعاد اور تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

کتاب کے کل صفحات ۲۳۲ ہیں۔ ۱۳۶ صفحات میں اردو زبان کے فتاویٰ اور تحریرات ہیں، اور 96 صفحات میں انگلش زبان کے فتاویٰ ہیں۔

کتاب میں متعلقہ موضوع پر بعض اکابرؒ کی تحریرات بھی شامل کی گئی ہیں، جیسے: بصائر وعبر کتاب سے محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر بعنوان ''نزولِ مسیح علیہ السلام کا عقیدہ اسلامی اصول کی روشنی میں'' اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر بعنوان ''رفع ونزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا منکر کافر ہے، ایک سوال اور اس کا جواب''۔ کتاب کا کاغذ اعلیٰ، سیٹنگ بہترین، ٹائٹل دیدہ زیب اور جلد مضبوط ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، مرتب، مصحح، اور تمام معاونین ومفتیانِ کرام کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ اس کتاب کو مسلمانوں کے عقیدہ کی حفاظت اور قادیانیوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے، آمین ثم آمین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....